مجلس انصار اللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلہ

انصار الدین

جلد ۱۹ نمبر ۴

جولائی و اگست ۲۰۲۲ء وفا و ظهور ۱۴۰۱ ہجری شمسی ذوالحجۃ و محرم ۱۴۴۴ ہجری قمری

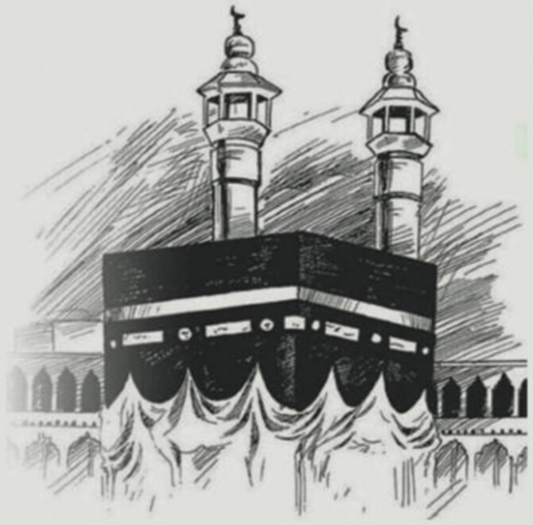

لَبَّیکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیکَ
لَبَّیکَ لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ
إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکُ لَا شَرِیکَ لَکَ

میں حاضر ہوں۔ اے اللہ میں حاضر ہوں۔

تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔

یقیناً ہر قسم کی تعریف اور نعمت تیرے ہی لیے ہے

اور بادشاہت بھی تیری ہی ہے۔ کوئی بھی تیرا شریک نہیں۔

Majlis Ansarullah UK
HUMANITARIAN PROJECTS 2022

Eye Operations @ Masroor Eye Insitute - Burkina Faso

Cost of one eye operation - £50

Water for Life

New water pump £2,000

Water pump refurbishment £750

A water well/pump can provide fresh water for over 1,000 people daily.

The complex FACILITIES include a house for orphans; a school; and an administration office.

Orphan COMPLEX (Africa)

Build-cost £300,000

Any donation-amount welcome.

If a Nasir donates £5,000 or more, his name will be engraved within the Orphan Complex.

A room cost is £10,000.

If a Nasir donates £10,000 or more, his name will be engraved on a plate at the room entrance.

PLEASE KINDLY DONATE GENEROUSLY

USE THIS LINK: https://donation.charitywalkforpeace.org/
OR Scan the QR code. You can call us and we will assist you 020 8874 6630.

MAJLIS ANSARULLAH UK 33 GRESSENHALL ROAD LONDON SW18 5QH
T: 020 8874 6630 E: INFO@CHARITYWALKFORPEACE.ORG W: CHARITYWALKFORPEACE.ORG

مجلس انصار اللہ برطانیہ
فلاحی منصوبے برائے سال 2022ء

آنکھوں کے آپریشنز
مسرور آئی انسٹیٹیوٹ
برکینا فاسو

ایک آنکھ کے آپریشن کے اخراجات: £50

ٹیوب ویل

پانی کا نیاکنواں: £2000

مرمت برائے پانی کا کنواں: £750

ایک کنواں / پمپ روزانہ 1000 سے زائد لوگوں کو روزانہ تازہ پانی مہیا کرتا ہے

یتیم خانہ (افریقہ)

اس کمپلیکس کے بنانے کی لاگت کا تخمینہ: £300,000

آپ جتنی رقم چاہیں اس میں عطیہ کر سکتے ہیں

اگر کوئی ناصر اس پروجیکٹ میں £5000 یا اس سے زائد رقم عطیہ کرتا ہے تو اس کا نام بلڈنگ کے اندر لکھا جائے گا

ایک کمرہ بنوانے کے اخراجات کا تخمینہ: £10,000

اگر کوئی ناصر اس پروجیکٹ میں £10,000 یا اس سے زائد رقم کا عطیہ کرتا ہے تو اس کے نام کی پلیٹ اس کمرہ کے اوپر لگائی جائے گی

اس یتیم خانہ کمپلیکس میں:

ایک گھر برائے یتامی، ایک سکول اور ایک دفتر شامل ہے

PLEASE KINDLY DONATE GENEROUSLY

USE THIS LINK: https://donation.charitywalkforpeace.org/
OR Scan the QR code. You can call us and we will assist you 020 8874 6630.

MAJLIS ANSARULLAH UK 33 GRESSENHALL ROAD LONDON SW18 5QH
T: 020 8874 6630 E: INFO@CHARITYWALKFORPEACE.ORG W: CHARITYWALKFORPEACE.ORG

مجلس انصاراللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ

جولائی و اگست 2022ء

انصارالدین

جلد 19 نمبر 4

انصاراللہ کا عہد

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ
وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظامِ خلافت کی حفاظت کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاء اللہ)

فہرست مضامین

- درس القرآن الکریم — 2
- حدیث النبی ﷺ — 3
- ارشادات سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام — 4
- فرمودات حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز — 5
- اداریہ: پرہیزگار انسان بن جاؤ تا تمہاری عمریں زیادہ ہوں — 6
- حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی دربارہ مہاراجہ دلیپ سنگھ (عبدالرحمٰن شاکر) — 8
- اصحابِ رسول ﷺ کا عشقِ الٰہی (وحید احمد) — 11
- محترم فضل الرحمٰن خان صاحب مرحوم (قسط دوم۔ آخر) (فرخ سلطان محمود) — 15
- سرزمینِ افریقہ کے چند ممالک کے سفر کا ایمان افروز تذکرہ (بشیر احمد رفیق خان) — 19
- مستدرک امام حاکمؒ (طلعت حفیظ) — 24

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ کیا آپ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی ترقیات اور احمدیوں کی حفاظت کے لئے روزانہ دو نفل ادا کر رہے ہیں اور ہفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

صدر مجلس: ڈاکٹر چوہدری اعجاز الرحمٰن
قائد اشاعت: مظفر احمد بھٹی
مدیر: محمود احمد ملک
نائبین: صفدر حسین عباسی
میر انجم پرویز
سیّد حسن خان
مینیجر: شفقت محمود ملک
ڈیزائننگ: عامر ملک

Ansaruddin
33 Gressenhall Road,
SW18 5QH London
United Kingdom
E: ansaruddin@ansarullahuk.org

درس القرآن

اللہ تعالیٰ زبان کی ایک بڑی خرابی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۔ (المومنون:4)

اور وہ جو لغو سے اعراض کرنے والے ہیں۔

لغویات کا تعلق زبان سے بھی ہے۔ مثلاً گپیں مارنا، لغو مجلسوں میں بیٹھنا، اور فضول باتیں کرنا، زبان درازی وغیرہ۔ اسی لئے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ سورہ مدثر میں فرماتا ہے اہل جنت دوزخیوں سے پوچھیں گے کہ

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۔ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۔

وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۔ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَائِضِيْنَ ۔ (مدثر:43تا46)

تم کو کیا چیز دوزخ میں لے گئی تو وہ جواب دیں گے ہم نمازیوں میں سے نہیں تھے اور ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے ہم لغو باتوں میں مشغول رہنے والوں کے ساتھ مشغول ہو جایا کرتے تھے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اس آیت کریمہ اور لغو کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یعنی مومن وہ ہیں جو لغو باتوں اور لغو کاموں اور لغو حرکتوں اور لغو مجلسوں اور لغو صحبتوں اور لغو تعلقات سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔“ (روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 197)

قرآن کریم میں عباد الرحمٰن کی ایک صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۔ (الفرقان:73)

اور جب وہ لغویات کے پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ انسان کے با اخلاق و با خدا یا بدکردار اور جہنمی ہونے میں زبان کا بہت بڑا دخل ہے۔ انسان جتنا اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھے اتنا ہی اس کا فائدہ ہے۔ یہی وہ زبان ہے جس سے وہ خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا تسبیح و تحمید اور شکر و عبادات بجالاتا ہے۔ لوگوں کو نیک مشورے دیتا، خیر خواہی و ہمدردی کا اظہار کرتا۔ تلاوت قرآن کریم کرتا اور بے شمار امور سرانجام دیتا ہے اور خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرتا ہے۔ ہر لفظ جو ہماری زبان سے نکلتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ریکارڈ ہوتا ہے اور اس کا محاسبہ ہوگا۔ فضول گوئی، بدزبانی، ضرر رساں گفتگو اور دوسروں کی بات میں بلاوجہ دخل دینے کے لئے لب کشائی کرنے کی عادت بعض دفعہ انسان کو دردناک صورت حال میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس کم گوئی، خاموشی، متانت اور خوب سوچ سمجھ کر بولنے کی عادت انسان کی دنیوی و اخروی نجات کے لئے اکسیر احمر کا حکم رکھتی ہے۔ اسی لئے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں:

جس نے خاموشی اختیار کی وہ نجات پا گیا۔ (ترمذی کتاب صفة القيامة......)

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

☆ آنحضورﷺ فرماتے ہیں: جھوٹ انسان کو فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق و فجور جہنم کی طرف اور جو شخص جھوٹ بولے وہ آسمان پر کذاب لکھا جاتا ہے۔ (بخاری کتاب الادب باب قول اِتَّقُوا اللہ وکونوا مع الصادقین)

☆ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا: جانتے ہو مفلس کون ہے؟ ہم نے عرض کیا جس کے پاس مال و دولت نہ ہو اور نہ کوئی ساز و سامان ہو اور کوڑی کوڑی کا محتاج ہو۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز نماز، روزہ، زکوٰۃ جیسے اعمال لے کر آئے گا مگر اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا پس ان مظلوموں کو اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور اگر ان کے حقوق ادا ہونے سے پہلے ان کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس کے سر پر ڈال دیے جائیں گے اور اس طرح وہ جنت کی بجائے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور یہی شخص دراصل مفلس ہے۔ (صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظلم)

☆ آنحضورﷺ کی نہایت جلالی اور انذاری حدیث مبارکہ ملاحظہ ہو۔ فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے کلام نہیں کرے گا۔ نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کا تزکیہ فرمائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ آپؐ نے بڑے جلال سے تین بار ان کلمات کو دہرایا۔

حضرت ابوذرؓ نے پوچھا یارسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: 1۔ وہ جو تکبر سے کپڑے گھسیٹتے ہیں۔ 2۔ بات بات پر احسان جتاتے ہیں۔ 3۔ اور جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا سامان فروخت کرتے ہیں۔ (مسلم کتاب الایمان)

☆ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دیہاتی نے آنحضرتﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! بڑے بڑے گناہ کون سے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا۔ اس نے کہا اور کیا؟ آپؐ نے فرمایا یمین غموس۔ راوی کہتے ہیں میں نے عرض کیا ''یمین غموس'' کیا ہوتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جھوٹی قسم جس کے ذریعہ انسان کسی مسلمان کا حق مارے۔ (بخاری کتاب الایمان باب الیمین الغموس)

☆ آنحضورﷺ نے ارشاد فرمایا: چغل خور جنت میں ہرگز داخل نہ ہوگا۔ (بخاری کتاب الادب)۔ اسی وجہ سے آپؐ نے حقیقی مسلمان کی یہ تعریف بیان فرمائی کہ مسلمان وہ ہے جو دوسرے مسلمان کو اپنی زبان اور ہاتھ کی اذیتوں سے محفوظ رکھے۔ (بخاری کتاب الادب)

☆ حدیث مبارکہ ہے: جس نے زبان کی حفاظت کی اللہ نے اس کے عیوب کو ڈھانپ دیا، اس کی پردہ پوشی فرمادی۔ (الترغیب والترتیب کتاب الادب)

☆ اسی طرح آپؐ فرماتے ہیں: انسان ایمان کی حقیقت کو پا نہیں سکتا جب تک اپنی زبان کو قابو میں نہ رکھے۔ (الجامع الکبیر للسیوطی حرف اسلام)

☆ آنحضورﷺ زبان کی حفاظت کرنے والے کو جنت کی ضمانت دیتے ہوئے فرماتے ہیں: من یضمن ما بین لحییه وما بین رجلیه اضمن له الجنة (بخاری کتاب الرقاق باب حفظ اللسان)۔ اس حدیث مبارکہ کا منظوم ترجمہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے یوں بیان فرمایا ہے ؎

دو عضو اپنے جو کوئی ڈر کر بچائے گا
سیدھا خدا کے فضل سے جنت میں جائے گا
وہ اک زباں ہے ، عضو نہانی ہے دوسرا
یہ ہے حدیث سیّدنا سید الوریٰ

امام الکلام۔ کلام الامام علیہ الصلوٰۃ والسلام

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

☆ ’’حرام خوری اس قدر نقصان نہیں پہنچاتی جس قدر قول زور۔‘‘ (ملفوظات جلد اول۔صفحہ 281)

☆ ’’فی الحقیقت کذب کے اختیار کرنے سے انسان کا دل تاریک ہوجاتا ہے اور اندر ہی اندر اسے ایک دیمک لگ جاتی ہے۔ایک جھوٹ کے لیے پھر اسے بہت سے جھوٹ تراشنے پڑتے ہیں، کیونکہ اس جھوٹ کو سچائی کا رنگ دینا ہوتا ہے۔اسی طرح اندر ہی اندر اس کے اخلاقی اور روحانی قویٰ زائل ہوجاتے ہیں اور پھر اسے یہاں تک جرأت اور دلیری ہوجاتی ہے کہ خدا تعالیٰ پر بھی افترا کرلیتا ہے اور خدا تعالیٰ کے مرسلوں اور ماموروں کی تکذیب بھی کردیتا ہے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک اَظْلَم ٹھہر جاتا ہے۔...... یقیناً یاد رکھو کہ جھوٹ بہت ہی بری بلا ہے جو انسان کو ہلاک کردیتا ہے۔‘‘ (ملفوظات جلد اول۔صفحہ 245)

☆ ’’میں نے غور کیا ہے۔قرآن شریف میں کئی ہزار حکم ہیں ان کی پابندی نہیں کی جاتی۔ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں میں خلاف ورزی کرلی جاتی ہے۔یہاں تک دیکھا جاتا ہے کہ بعض جھوٹ تو دکاندار بولتے ہیں اور بعض مصالحہ دار جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ نے اس کو رِجس کے ساتھ رکھا ہے مگر بہت سے لوگ دیکھے ہیں کہ رنگ آمیزی کرکے حالات بیان کرنے سے نہیں رُکتے اور اس کو کوئی گناہ بھی نہیں سمجھتے۔ہنسی کے طور پر بھی جھوٹ بولتے ہیں۔انسان صدیق نہیں کہلاسکتا جب تک جھوٹ کے تمام شعبوں سے پرہیز نہ کرے۔‘‘ (ملفوظات جلد سوم۔صفحہ 99)

☆ ’’اپنے بھائیوں اور بہنوں پر تہمتیں لگانے والا جو اپنے افعالِ شنیعہ سے توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔‘‘ (کشتی نوح۔روحانی خزائن جلد 19۔صفحہ 19)

☆ ’’بعض گناہ ایسے باریک ہوتے ہیں کہ انسان ان میں مبتلا ہوتا ہے اور سمجھتا ہی نہیں۔جوان سے بوڑھا ہوجاتا ہے مگر اسے پتہ نہیں لگتا کہ گناہ کرتا ہے مثلاً گلہ کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ایسے لوگ اس کو بالکل ایک معمولی اور چھوٹی سی بات سمجھتے ہیں۔حالانکہ قرآن شریف نے اس کو بہت برا قرار دیا ہے۔چنانچہ فرمایا ہے: خدا تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے کہ انسان ایسا کلمہ زبان پر لاوے جس سے اس کے بھائی کی تحقیر ہو اور ایسی کارروائی کرے جس سے اس کو حرج پہنچے۔ایک بھائی کی نسبت ایسا بیان کرنا جس سے اس کا جاہل اور نادان ہونا ثابت ہو یا اس کی عادت کے متعلق خفیہ طور پر بے غیرتی یا دشمنی پیدا ہو یہ سب برے کام ہیں۔‘‘ (تفسیر حضرت مسیح موعود جلد 4۔صفحہ 219)

☆ ایک روز ایک عورت نے کسی دوسری عورت کا گلہ کیا۔آپ نے فرمایا:

’’دیکھو۔یہ بہت بری عادت ہے جو خصوصاً عورتوں میں پائی جاتی ہے۔... سارے دن کا شغل سوائے گِلہ اور شکایت کے کچھ نہیں ہوتا۔ایک شخص تھا۔اس نے کسی دوسرے کو گنہگار دیکھ کر خوب اس کی نکتہ چینی کی اور کہا کہ تو دوزخ میں جائے گا۔قیامت کے دن خدا تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ کیوں تجھ کو میرے اختیارات کس نے دیے ہیں؟ دوزخ اور بہشت میں بھیجنے والا تو میں ہی ہوں۔تو کون ہے؟ اچھا! مَیں نے تجھ کو دوزخ میں ڈالا اور یہ گنہگار بندہ، جس کا تو گلہ کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ یہ ایسا ہے ویسا ہے اور دوزخ میں جائے گا، اس کو میں نے بہشت میں بھیج دیا ہے۔سو ہر ایک انسان کو سمجھنا چاہیے کہ ایسا نہ ہو کہ میں ہی الٹا شکار ہوجاؤں۔‘‘ (ملفوظات جلد 5۔صفحہ 10-11)

فرمودات

حضرت خلیفۃالمسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

سیّدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''ہم اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں، مسلمان کہتے ہیں، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے آپؐ پر اپنے ایمان کو کامل کرتے ہوئے اس بات کو بھی ماناہے کہ آپؐ کی پیشگوئی کے مطابق جس مسیح ومہدی نے آنا تھا وہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے وجود میں آچکا ہے اور اب دین اسلام کی نشأتِ ثانیہ کا کام اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق اس مسیح ومہدی کے ہاتھ سے ہی ہونا ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ اپنے اندر اسلام کی حقیقی روح کو قائم رکھنے کے لیے مسیح موعود علیہ السلام سے ہی راہنمائی لیں۔

چنانچہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ تقویٰ کے متعلق آپؑ کیا ارشاد فرماتے ہیں تو اس مضمون سے بھی ہمیں آگاہی ہوتی ہے کہ تقویٰ کیا ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور ہم ایمان لانے والوں میں شامل ہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں تو پھر سنو کہ ایمان کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے اور پھر فرمایا کہ تقویٰ کیا ہے؟ پھر اس کا جواب یہ ہے کہ ہر قسم کی بدی سے اپنے آپ کو بچانا۔ اب اگر ہم جائزہ لیں تو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ہمیں اپنے جائزہ سے ہی پتہ چل جائے گا کہ کیا ہم تقویٰ کا حق ادا کرتے ہوئے حقوق اللہ کی ادائیگی کر رہے ہیں۔ کیا ہم تقویٰ پر چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے حق ادا کر رہے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ یہ بات کہ تقویٰ کیا ہے اس وقت تک پتہ نہیں چل سکتی جب تک ان باتوں کا مکمل علم نہ ہو۔ علم حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ بغیر علم کے کوئی چیز حاصل ہی نہیں ہوسکتی، اس کو آدمی پا ہی نہیں سکتا۔ آپؑ نے فرمایا کہ یہ علم حاصل کرنے کے لیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے حق ہیں؟ کیا بندوں کے حق ہیں؟ کن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے؟ کن باتوں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کے لیے بار بار قرآن شریف کو پڑھو۔ فرمایا اور تمہیں چاہیے کہ جب قرآن شریف پڑھ رہے ہو تو بُرے کاموں کی تفصیل لکھتے جاؤ اور پھر خدا تعالیٰ کے فضل اور تائید سے کوشش کرو کہ ان بدیوں سے بچتے رہو۔ آپؑ نے فرمایا کہ یہ تقویٰ کا پہلا مرحلہ ہوگا۔

پس......قرآن شریف اس سوچ سے پڑھنا چاہیے کہ اس کے اوامر و نواہی پر ہم نے غور کرنا ہے اور بُرے کاموں سے رکنا ہے اور اچھے کاموں کو ادا کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ آپؑ نے فرمایا قرآن شریف میں اوّل سے آخر تک اوامر و نواہی اور احکام الٰہی کی تفصیل موجود ہے۔ پس ہمیں ان چیزوں کو دیکھنا ہوگا، ان پر غور کرنا اور ان پر عمل کرنا ہوگا اور یہی ایک مومن کی نشانی ہے۔ آپؑ نے اس بات کو بڑے زور سے بیان فرمایا کہ جب تک انسان متقی نہیں بنتا اس کی عبادات اور دعاؤں میں قبولیت کا رنگ پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے: اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۔ (المائدہ:28) یعنی بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں کی ہی عبادت کو قبول فرماتا ہے۔ فرمایا یہ سچی بات ہے کہ نماز روزہ بھی متقیوں کا ہی قبول ہوتا ہے۔''

(خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ 22/اپریل 2022ء)

اداریہ

پرہیز گار انسان بن جاؤ تا تمہاری عمریں زیادہ ہوں اور تم خدا سے برکت پاؤ

ممکن ہے کہ آپ یا آپ کے کوئی دوست کسی ایسی عادت میں مبتلا ہوں جسے ترک کرنے کی خواہش کے باوجود اسے چھوڑنے کے تصوّر سے ہی انہیں خوف آتا ہو۔ ایسی ہی ایک چیز تمبا کو نوشی ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ کسی دینی اجتماع کے موقع پر بھی ہزاروں شاملین میں سے چند دوست ایسے بھی نظر آتے ہیں جو خاص اوقات میں (مثلاً کھانے کے فوراً بعد) کسی ایسے کونے کی تلاش میں ہوتے ہیں جہاں وہ اپنی اس قبیح عادت کی تسکین کر سکیں۔ حیرت اس امر پر ہوتی ہے کہ وہ خود اسے قبیح عادت قرار دیتے ہیں اور چاہتے بھی ہیں کہ اسے ترک کر سکیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے آقا سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کے خلفائے کرام کے ارشادات اس حوالے سے کیا ہیں۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

☆...... ”انسان عادت کو چھوڑ سکتا ہے بشرطیکہ اس میں ایمان ہو اور بہت سے ایسے آدمی دنیا میں موجود ہیں جو اپنی پرانی عادت کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ جو ہمیشہ سے شراب پیتے چلے آئے ہیں بڑھاپے میں آکر جب کہ عادت کا چھوڑنا خود بیمار پڑنا ہوتا ہے بلاکسی خیال کے چھوڑ بیٹھتے ہیں اور تھوڑی سی بیماری کے بعد اچھے بھی ہو جاتے ہیں۔ میں حقہ کو نہ منع کہتا اور نہ جائز قرار دیتا ہوں مگر ان صورتوں میں کہ انسان کو کوئی مجبوری ہو۔ یہ ایک لغو چیز ہے اور اس سے انسان کو پرہیز کرنا چاہیے۔“ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 159)

☆...... ایک اور موقع پر تمبا کو کی نسبت فرمایا کہ ”یہ شراب کی طرح تو نہیں ہے کہ اس سے انسان کو فسق و فجور کی طرف رغبت ہو مگر تاہم تقویٰ یہی ہے کہ اس سے نفرت اور پرہیز کرے۔ منہ میں اس سے بدبو آتی ہے اور یہ منحوس صورت ہے کہ انسان دھؤاں اندر داخل کرے اور پھر باہر نکالے۔ اگر آنحضرت ﷺ کے وقت یہ ہوتا تو آپ اجازت نہ دیتے کہ اسے استعمال کیا جاوے۔ ایک لغو اور بیہودہ حرکت ہے، ہاں مسکرات میں اسے شامل نہیں کر سکتے۔ اگر علاج کے طور پر ضرورت ہو تو منع نہیں ہے، ورنہ یونہی مال کو بے جا صرف کرنا ہے۔ عمدہ تندرست وہ آدمی ہے جو کسی شئے کے سہارے زندگی بسر نہیں کرتا۔“ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 175)

ایک مجلس میں تمبا کو کے مضرات پر ایک مختصر مضمون پڑھا گیا جس میں تمبا کو کی مذمّت میں بہت ہی مبالغہ کیا گیا تھا۔ اس کو سن کر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ کے کلام اور مخلوق کے کلام میں کس قدر فرق ہوتا ہے۔ شراب کے مضار اگر بیان کیے ہیں تو اس کا نفع بھی بتا دیا ہے اور پھر اس کو روکنے کے لئے یہ فیصلہ کر دیا کہ اس کا ضرر نفع سے بڑھ کر ہے۔ دراصل کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی نفع نہ ہو مگر مخلوق کے کلام کی یہی حالت ہوتی ہے۔ اب دیکھ لو اس نے اس کے مضرات ہی مضرات بتائے ہیں کسی ایک نفع کا بھی ذکر نہیں کیا۔ تمبا کو کے بارے میں اگرچہ شریعت نے کچھ نہیں بتایا لیکن ہم اس کو مکروہ جانتے ہیں اور ہم یقین کرتے ہیں کہ اگر یہ آنحضرت ﷺ کے وقت میں ہوتا تو آپ نہ اپنے لئے اور نہ اپنے صحابہ کے لئے کبھی اس کو تجویز کرتے بلکہ منع کرتے۔“ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 367)

اس حوالے سے نہ صرف بے شمار اقوال بھی بیان کیے جا سکتے ہیں بلکہ اس بدعادت کو ترک کرنے لئے جو کامیاب ذرائع بعض دوستوں نے استعمال کیے اُن کے بارے میں بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ تاہم انسانی نفسیات کا غیر معمولی ادراک رکھنے والے سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے جو نصیحت محترم بشیر احمد رفیق خان صاحب کو کی تھی اس نصیحت کو تمبا کو نوشی ترک کرنے کی سنجیدہ کوشش کرنے والے بہت سے دوستوں نے از حد مفید پایا ہے۔

محترم خان صاحب رقمطراز ہیں کہ 1945ء میں جب مَیں آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا تو چند دوستوں کی بدصحبت کے نتیجے میں سگریٹ نوشی کی بدعادت میں مبتلا ہو گیا۔ اس وقت تک مجھے اس شعر کی صداقت کا پوری طرح علم نہیں تھا کہ صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

بہر حال دوستوں کے اصرار پر سلگایا جانے والا پہلا سگریٹ میری آئندہ چودہ سالہ سگریٹ نوشی کا پیش خیمہ بن گیا اور یہ موذی اور مہلک مرض ایسا لگا کہ باوجود ہزار جتن کے مَیں اس سے جان نہ چھڑا سکا۔ سگریٹ نوشی کی تعداد بڑھتے بڑھتے ساٹھ سگریٹ یومیہ تک جا پہنچی۔ روزانہ کے سگریٹ پر آنے والے اخراجات میری طالب علمی کے زمانہ کے جیب خرچ سے بھی زیادہ ہو جایا کرتے تھے اور ان زائد اخراجات کو پورا کرنے کے لئے میں اپنے والد صاحب سے مختلف حیلوں بہانوں سے رقم اینٹھتا رہا۔

1953ء میں لاہور میں مارشل لاء لگا تو ہم اپنے کالج کے احاطہ میں محصور ہو کر رہ گئے۔ دن میں ایک دو گھنٹہ کے لئے کرفیو میں نرمی ہوتی تو دوسرے طلبہ سامان خورونوش لینے بازار کا رُخ کرتے اور مجھے یہ فکر لاحق ہو جاتی کہ سگریٹ کے ذخیرہ میں کمی نہ واقع ہو جائے چنانچہ میں سگریٹ لینے بازار کا رُخ کرتا۔

1958ء میں جب مَیں جامعۃ المبشرین کا طالب علم تھا تو پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے مجھے اطلاع دی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مجھے یاد فرمایا ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ حضورؓ کی قوتِ شامہ بہت تیز ہے اس لئے حضورؓ سے ملاقات کے لئے جانے سے قبل اپنی انگلیوں کو، جو نکوٹین کے استعمال سے بالکل زرد ہو چکی تھیں، صابن و اسپرٹ سے خوب صاف کیا۔ صاف ستھرے کپڑے پہنے، کچھ عطر لگایا اور اس بات کا پورا اطمینان کرنے کے بعد کہ اب حضورؓ کو میرے جسم یا کپڑوں سے سگریٹ کی بو آنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ حضورؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضورؓ نے کچھ ہدایات دیں، میرا حال احوال پوچھا اور جامعہ کی پڑھائی کے بارے میں دریافت فرمایا۔ ملاقات ختم ہونے پر مَیں مصافحہ کر کے باہر جانے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ حضورؓ نے مجھے بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔ میں بیٹھ گیا تو حضورؓ نے اچانک پوچھا تم دن میں کتنے سگریٹ پیتے ہو؟ یہ سن کر میری تو گویا

جان ہی نکل گئی۔ سخت گھبراہٹ ہوئی۔ جس راز کو چھپانے کے لئے میں نے ہزار جتن کیے تھے وہ یوں افشا ہوجائے گا، یہ میرے خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔

مَیں نے جواب دیا: ’’حضور! سگریٹ تو مَیں بہت پیتا ہوں۔‘‘ حضورؒ نے دریافت فرمایا: ’’پھر بھی دن میں کتنے سگریٹ پی لیتے ہو؟‘‘ مَیں نے عرض کیا کہ ساٹھ سگریٹ کے لگ بھگ۔ حضور کو سخت حیرت ہوئی اور دو تین دفعہ دہرایا کہ تم ایک دن میں ساٹھ سگریٹ پھونک لیتے ہو۔ مَیں نے سخت شرمندگی سے سر جھکا دیا اور خاموش رہا۔

حضورؒ نے فرمایا کہ تم بی اے پاس ہو، تمہیں یقیناً سگریٹ نوشی کے کچھ فوائد نظر آئے ہوں گے۔ مجھے بھی ان فوائد سے مطلع کرو تا کہ میرے علم میں بھی اضافہ ہو۔ مَیں نے شرمندگی سے سر جھکا کر عرض کیا: ’’حضور! اس میں قطعاً کوئی فائدہ نہیں بلکہ یہ ایک لغو فعل ہے۔‘‘ اس پر حضورؒ نے فرمایا کہ تم پڑھے لکھے ہو کر ایک سراسر لغو اور بے فائدہ فعل کو کیوں کرتے ہو؟ پھر حضورؒ نے فرمایا: ’’میں نے حال ہی میں ’’ریڈرز ڈائجسٹ‘‘ میں ایک مضمون پڑھا ہے۔ جس میں لکھا تھا کہ ایک یوروپین پارٹی ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی سر کرنے گئی تو ان میں سے ایک کوہ پیما صرف اس لئے موت کا شکار ہو گیا کہ اس کے پاس سگریٹ کا سٹاک ختم ہو گیا تھا اور وہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکا۔ پھر فرمایا کہ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ایک شخص مہم جوئی میں اس قدر آگے نکل جائے کہ ہمالیہ کو سر کرنے نکلے اور صرف سگریٹ نہ ملنے کی وجہ سے اپنی جان کی بازی ہار دے۔‘‘

حضورؒ نے فرمایا: ’’سگریٹ وبال جان ہے، مضر صحت ہے، سرطان کا خطرہ ہر وقت لاحق رہتا ہے۔ مالی طور پر بھی انسان کو بربادی کی طرف لے جاتی ہے۔ جو رقم سگریٹ نوشی پر خرچ ہوتی ہے اس کا دسواں حصہ بھی اگر انسان اچھی اور صحت بخش خوراک پر خرچ کرے تو نہ صرف وہ سگریٹ پر اٹھنے والے اخراجات سے نجات پالے گا بلکہ اچھی صحت اور تندرستی سے بھی مالا مال ہو جائے گا۔‘‘

اس گفتگو کے بعد آپؒ نے پوچھا کہ کیا تم سنجیدگی سے اس عادت کو ترک کرنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضور! مَیں نہ صرف تیار ہوں بلکہ اس لغو عادت کو ترک کرنے کے لئے ہر قربانی کے لیے بھی تیار ہوں، مگر مَیں کئی دفعہ کوشش کرنے کے باوجود بھی اس لغو عادت سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

حضورؒ نے فرمایا کہ طریقہ میں بتا دیتا ہوں۔ عمل کرنا تمہارا کام ہے۔ اگر تم نے میرے بتائے ہوئے طریق پر صدق دل سے عمل کیا اور اپنے عمل کے ساتھ دعاؤں کو بھی شامل کیا تو ان شاء اللہ تمہیں اس سے مستقلاً نجات مل جائے گی۔ مَیں بھی تمہارے لئے دعا کروں گا۔ مَیں نے حضورؒ سے پختہ وعدہ کیا کہ حضورؒ کے فرمودہ ارشادات پر دل وجان سے عمل کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضورؒ نے فرمایا کہ دیکھا گیا ہے کہ سگریٹ نوش عام طور پر سگریٹ نوشی ترک کرنے کے لئے، جو ایک ڈبیا ان کی جیب میں ہوتی ہے، اس کو ختم کرنے کے بعد سگریٹ نوشی ترک کرنے کا عزم کرتے ہیں یا سگریٹ کی مقدار گھٹا کر یہ سمجھتے ہیں کہ بالآخر وہ اس سے نجات پا جائیں گے۔ اس طرح سے وہ ہمیشہ ناکام رہتے ہیں۔ اس لئے میری پہلی ہدایت تمہیں یہ ہے کہ یہاں سے نیچے اتر کر سگریٹ کی جو ڈبیا تم نے کہیں چھپا کر رکھی ہے اس کو پیروں تلے مسل دو۔

میری دوسری ہدایت یہ ہے کہ جس دوکان سے تم سگریٹ خریدتے ہو، (ان دنوں ربوہ میں سگریٹ فروشی کی صرف ایک دوکان تھی)، چالیس دن تک اس کے قریب بھی نہ جانا۔ بلکہ اگر وہ دوکان راستہ میں پڑتی ہو تو اپنا راستہ بدل دو۔

میری تیسری ہدایت یہ ہے کہ تمام ایسے دوستوں کی صحبت سے دُور رہو جو تمہارے ساتھ سگریٹ نوشی کرتے ہیں۔ چالیس دن تک ان سے ملنے میں اجتناب کرو۔ اور ان کو بتا دو کہ مجھے خلیفۃ المسیح نے تم سے ملنے سے منع کیا ہے۔ اگر کسی ایسے دوست سے ملنا ضروری ہو تو سختی سے اُسے منع کر دو کہ تمہاری موجودگی میں سگریٹ نوشی نہ کرے۔

میری چوتھی ہدایت یہ ہے کہ عام طور پر کھانا کھانے کے بعد سگریٹ نوشی کی شدید طلب ہوتی ہے اس لئے تم اپنی جیب میں چنے رکھ لیا کرو اور جب بھی سگریٹ کی خواہش ہو چنے منہ میں ڈال کر چبا لیا کرو۔ اس طرح سگریٹ کی طلب میں آہستہ آہستہ کمی آنی شروع ہو جائے گی۔

حضورؒ نے آخر میں فرمایا کہ جو ترا کیب میں نے تمہیں بتائی ہیں ان پر چالیس دن تک مکمل عمل پیرا ہونے کے بعد مجھ سے ملنے کے لئے آؤ اور مجھے اس عرصہ کی رپورٹ دو۔ مَیں نے حضورؒ سے حضورؒ کی ہدایات پر خلوص دل سے عمل پیرا ہونے کا وعدہ کیا اور واپس چلا آیا۔

شروع کے چند دن بہت تکلیف میں گزرے۔ طبیعت ہر وقت بے چین رہنے لگی۔ کسی کام میں بھی دل نہیں لگتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ دل کو قرار آنے لگا۔ سگریٹ کی عادت ختم ہونے سے کھانے میں بھی لطف آنے لگا اور سگریٹ نوشی کی وجہ سے زبان میں آ جانے والی بدذائقی بھی دُور ہونے لگی۔

چالیس دن کے اختتام کے بعد مَیں حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضورؒ نے دریافت فرمایا کہ کیا رپورٹ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضور! الحمد للہ مجھے سگریٹ نوشی سے نجات مل گئی ہے۔ حضورؒ نے باآواز بلند الحمد للہ الحمد للہ الحمد للہ فرمایا اور بے حد خوشی کا اظہار فرمایا۔ یہ حضورؒ کا اس عاجز پر ایک عظیم احسان تھا۔

ہمارے وہ بھائی جو واقعی اس بدعادت سے نجات کے خواہاں ہیں انہیں چاہیے کہ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد اپنے سامنے آویزاں کر لیں۔ فرمایا:

☆ ......’’اے عقلمندو! یہ دنیا ہمیشہ کی جگہ نہیں۔ تم سنبھل جاؤ۔ تم ہر ایک بے اعتدالی کو چھوڑ دو۔ ہر ایک نشہ کی چیز کو ترک کرو...... ہر ایک نشہ جو ہمیشہ کے لئے عادت کر لیا جاتا ہے وہ دماغ کو خراب کرتا اور آخر ہلاک کرتا ہے۔ سو تم اس سے بچو۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ تم کیوں ان چیزوں کو استعمال کرتے ہو جن کی شامت سے ہر ایک سال ہزارہا تمہارے جیسے نشہ کے عادی اس دنیا سے کوچ کرتے جاتے ہیں اور آخرت کا عذاب الگ ہے۔ پرہیزگار انسان بن جاؤ تا تمہاری عمریں زیادہ ہوں اور تم خدا سے برکت پاؤ۔ حد سے زیادہ عیاشی میں بسر کرنا لعنتی زندگی ہے۔ حد سے زیادہ بدخلق اور بے مہر ہونا لعنتی زندگی ہے۔‘‘ (کشتی نوح۔ روحانی خزائن۔ جلد 19 صفحہ 70)

خدا تعالیٰ ہمیں اور ہماری نسلوں کو ہر شر سے محفوظ رکھتے ہوئے اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (محمود احمد ملک)

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظیم الشان پیشگوئی درباره مہاراجہ دلیپ سنگھ کیونکر پوری ہوئی؟

(عبدالرحمن شاکر)

مہاراجہ رنجیت سنگھ ایک بہت زیرک اور ہوشیار آدمی تھا۔کم از کم دو باتیں انگریز قوم کے متعلق اُس نے اچھی طرح سمجھ لی تھیں:

(1) انگریز جو لدھیانہ تک آگئے ہیں اور دوسری طرف پنجاب کو سندھ کی طرف سے گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہے ہیں یہ خالی از علّت نہیں اور ایک نہ ایک دن یہ اس کی سلطنت پر قبضہ کرلیں گے۔

(2) لاہور میں گرجا بنانے کا مطالبہ کیا جائے گا۔

واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ دونوں خدشات درست تھے۔اُنہی دنوں چارلس مٹکاف سفارت لے کر قصور کے مقام پر حاضر ہوا تو رنجیت سنگھ نے کئی روز تک شرفِ ملاقات نہ بخشا۔ وہ بھی پیچھے پیچھے پھرتا رہا۔آخر جب ملاقات ہوئی تو اُس نے پہلے سے تیار کردہ ایک مسودۂ معاہدہ دوستی پیش کیا کہ اس پر دستخط کر دیں۔ رنجیت سنگھ حیران ہوا کہ یہ کیا بات ہے۔ جب ہمارا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں،کوئی اختلاف نہیں اور دوستی ہے تو اس کے لکھنے پڑھنے کا کیا مقصد؟ مگر وہ اپنی بات پر قائم رہا۔لیکن جب فقیر عزیز الدین صاحب نے عام فہم پنجابی میں سِکھ درباریوں کو انگریز کے منشا سے باخبر کیا تو لکھا ہے کہ سِکھ سرداروں نے انگریز کو بڑی فصیح و بلیغ گالیاں دیں۔(''رنجیت سنگھ'' مصنفہ خشونت سنگھ صفحہ 211)

چنانچہ رنجیت سنگھ کی وفات تک انگریزوں سے دوستی قائم رہی لیکن رنجیت سنگھ کی آنکھ بند ہوتے ہی انگریزوں نے اس کے سب سے چھوٹے بیٹے کو عیسائی بنالیا۔ اُس کی عمر 8 سال تھی۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا جانشین اُس کا لڑکا کھڑک سنگھ ہوا۔مگر بڑا کمزور دماغ آدمی تھا۔ چند روز بعد اسے قتل کر دیا گیا۔اور جب اس کا لڑکا کنور نونہال سنگھ اپنے والد کی آخری رسوم ادا کر کے حضوری باغ کے سامنے والے دروازے میں سے اندر آ رہا تھا تو اُوپر سے ایک بہت بڑا وزنی پتھر گرا کر اسے بھی ہلاک کر دیا گیا۔

نیا مہاراجہ شیر سنگھ (جو مشہور ہے کہ رنجیت سنگھ کا ہی بیٹا تھا) 18/نومبر 1840ء کو تخت نشین ہوا۔شروع میں تو وہ بہت سادہ لوح اور صاف دل تھا مگر بعض مصاحبوں کی وجہ سے عیاش طبع اور ظالم ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد اسے بھی قتل کر دیا گیا۔

شیر سنگھ کا لڑکا پرتاپ سنگھ ایک روز نہا دھو کر اپنے بال سُکھا رہا تھا کہ حاسدوں نے اُسے بھی قتل کر دیا۔

پھر رنجیت سنگھ کا سب سے چھوٹا بیٹا دلیپ سنگھ تخت پر بیٹھا جو نومبر 1838ء میں پیدا ہوا تھا اور بوقت تخت نشینی سات آٹھ برس کا بچہ تھا۔اسے باقاعدہ مہاراجہ تسلیم کرلیا گیا اور اس کی ماں رانی جنداں سربراہ بنی۔

اُس زمانے میں فوج اور ملک کی حالت کا اندازہ مندرجہ ذیل عبارت سے لگایا جاسکتا ہے جو سکّھوں کے مشہور تاریخ دان گیانی گیان سنگھ نے اپنی کتاب ''تواریخ گورو خالصہ'' کے صفحہ 166 پر تحریر کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''اُس وقت خالصہ فوج کا یہ حال تھا کہ اپنے تئیں بادشاہ سمجھتی تھی اور سوائے لُوٹ مار اور غارت کے کسی کو دوسرا کام ہی نہ تھا۔جس کو چاہتے تھے لُوٹ لیتے تھے اور جسے چاہتے تھے چھوڑ دیتے تھے۔کسی کی مجال نہ تھی کہ دم مار سکتا۔فوج کا ہر سپاہی بادشاہ بنا پھرتا تھا۔مردم آزاری اور دل آزاری کا بازار گرم تھا۔جس گاؤں میں چلے جاتے تھے وہ اُجڑ جاتا تھا۔جس بازار سے گزر جاتے تھے وہ خاک ہو جاتا تھا۔اُسی وقت کا نام سکّھا شاہی مشہور ہے۔''

پھر لکھا کہ

''خالصہ فوج کی خودسری اور سرکشی سے ہر ایک کا ناک میں دم تھا۔ ہر شخص کو اپنی جان کی فکر تھی اور جو دن گذر جاتا تھا غنیمت سمجھتے تھے۔'' (صفحہ 673)

اُدھر ستلج کے اس پار لدھیانہ میں بیٹھے انگریز سکھوں کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ انگریزوں نے عملاً ستلج کے ساتھ ساتھ کے علاقے پر اپنا سکہ جما لیا ہوا تھا اور ارد گرد کے سکھ رؤساء کو اپنی حفاظت میں لے لیا ہوا تھا۔دارالخلافہ لاہور میں سخت بدامنی کی وجہ سے راجہ گلاب سنگھ ڈوگرہ خورد سال دلیپ سنگھ کو ہمراہ لے کر بمقام قصور لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل کے سامنے پیش ہوا اور رحم کی درخواست کی۔ انگریزوں نے منافقت سے کہا کہ ہم ایک دوست کی سلطنت تو نہیں لے سکتے مگر امن قائم کرنے کے لیے سکھ حکومت کی ''امداد'' ضرور کریں گے۔

مگر انگریزوں کی لغت میں ''امداد'' کے معنی کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔غرض گلاب سنگھ کو یقین دلا دیا کہ حکومت سکھوں کی ہی قائم رہے گی مگر چونکہ سکھوں نے انگریزی علاقہ پر حملہ کر کے پہل کی ہے لہٰذا ہم ستلج اور بیاس کے درمیانی علاقہ پر

قبضہ کرتے ہیں اور تم ڈیڑھ کروڑ روپیہ تاوانِ جنگ بھی ادا کرو۔ اُس نے منت سماجت کرکے 50 لاکھ روپیہ معاف کرالیا۔ کمسن مہاراجہ نے بھی اپنی زبان سے رحم کی درخواست کی۔

پھر 20 فروری 1846ء کو لارڈ ہارڈنگ خود لاہور آیا اور طے پایا کہ چونکہ حکومت سخت پریشان ہے، خزانہ خالی ہے، علاقے ویران ہیں، اس لیے ایک کروڑ روپیہ کے عوض ہم جموں کشمیر اور لداخ لیتے ہیں۔ چنانچہ 8 مارچ 1846ء کو یہ معاہدہ لکھا گیا۔

اس کے بعد سکھوں نے مہاراجہ دلیپ سنگھ کی طرف سے درخواست پیش کی کہ چونکہ خالصہ فوج سے دربارِ لاہور کو خطرہ محسوس ہو رہا ہے لہٰذا انگریزی فوج بطور تحفظ لاہور میں رکھی جائے۔ یہی بات انگریز دل سے چاہتے تھے۔ اس پر عہدنامہ کی تمام شرائط کا اعلان کمسن دلیپ سنگھ کی زبان سے کرایا گیا۔ جواباً لاٹ صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر اب سکھوں کی طرف سے ذرا بھی شرارت ہوئی تو پھر یہ معاہدہ وغیرہ کچھ نہ سمجھنا اور ہم جو چاہیں گے کریں گے۔

16 مارچ کو یہ طے ہوا کہ انگریزی فوج کے اخراجات 22 لاکھ روپے دربار لاہور ادا کرے گا۔ اس پر رانی جنداں نے سخت احتجاج کیا تو اسے سخت ملٹری پہرہ میں قلعہ شیخوپورہ میں قید کردیا گیا۔ وہ عورت بڑی ہوشیار تھی اس نے وہاں بھی باہر کے سکھ سرداروں سے رابطہ پیدا کرلیا تو اُسے بنارس بھجوادیا گیا اور وہاں سے انگلستان بھجوادیا گیا جہاں وہ 1863ء میں فوت ہوگئی۔

آخرکار 29 مارچ 1849ء کو زمامِ حکومت قلعہ لاہور کے شیش محل میں انگریزوں نے باقاعدہ طور پر اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ایک دربارِ خاص منعقد کیا گیا۔ سیّد رجب علی میر منشی گورنر جنرل نے اُٹھ کر اعلان پڑھا کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ کو معزول کیا جاتا ہے اور سکھ حکومت کو مملکتِ برطانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ خطاب مہاراجگی قائم رہے گا اور 5 لاکھ روپیہ سالانہ پنشن دی جائے گی وغیرہ۔ اس پر تمام سکھ سردار بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگ گئے اور یوں احساس ہونے لگا کہ رنجیت سنگھ کی تمام محنت بیکار ہوگئی ہے۔

چندروز بعد دلیپ سنگھ کو پہلے پشاور کی طرف بھجوادیا گیا تاکہ اس کو دیکھ کر سکھ قوم کے جذبات بھڑک نہ اُٹھیں۔ پھر اسے فتح گڑھ (یوپی) بھجوایا اور آخرکار 1854ء میں انگلستان بھجوادیا گیا۔

انگریزی حکومت کے نفوذ کے ساتھ ہی چرچ مشنری سوسائٹی نے اپنا کام تندہی سے شروع کردیا تھا۔ سر جان لارنس خود اس کا مربی تھا اور اپنی گرہ سے 500 روپے چندہ دیا کرتا تھا اور خواہشمند تھا کہ سکھ سلطنت کے خاتمہ پر پنجاب میں عیسائیت پھیل جائے۔

1853ء میں امرتسر میں پہلا مشن سکول قائم کیا گیا تھا جہاں پر دلیپ سنگھ بھی پڑھا کرتا تھا۔ انگریز افسران اور پادریوں کے اثر کے تحت دلیپ سنگھ نے عیسائیت قبول کرلی۔ چنانچہ مہاراجہ دلیپ سنگھ جب انگلستان گیا تو ملکہ وکٹوریہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ ملکہ اس کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئی اور اسی جذبے نے ملکہ کو مجبور کیا کہ وہ لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل انڈیا کو ایک خط لکھے۔ اس خط کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''بکنگھم پیلس

24 جولائی 1854ء

......ملکہ لارڈ ڈلہوزی کو بتانا چاہتی ہے کہ وہ دلیپ سنگھ سے مل کر کس قدر خوش ہوئی ہے۔ میرے جذبات ملے جلے سے ہیں۔ ایک طرف تو تکلیف اور ہمدردی کے جذبات ہیں اور دوسری طرف یہ کہ یہ نوجوان جس کو ہماری فوج نے مغلوب کرلیا، وہ تخت وتاج سے محروم کردیا گیا حالانکہ اس غریب کا کوئی قصور نہ تھا۔ اس کی جوانی عمدہ کردار اور اس کے تیکھے نقوش اور سب سے بڑھ کر یہ نوجوان اپنے آبائی مذہب کو ترک کرکے اب عیسائی ہوچکا ہے، ہماری ہمدردی کو کھینچتے ہیں۔ ہمیں اس کو دوست بنانا چاہیے اور اس کی حفاظت کرنی چاہیے۔......''

(بحوالہ لیٹرز آف کوئین وکٹوریا۔ جلد سوم صفحہ 49)

اس کے علاوہ بھی ملکہ وکٹوریہ نے دلیپ سنگھ کے بارے میں دوتین خطوط میں اس کے لیے ہمدردی کا اظہار کیا اور بہتری کے خیال سے کچھ تجاویز بتائیں اور ''فرزند دلبند'' کا خطاب بھی عطا فرمایا کیونکہ مہاراجہ موصوف ملکہ وکٹوریہ کے منظورِ نظر تھے۔

مگر خدائی تقدیر کچھ اَور ہی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اپنی کسی خاص مصلحت کی بنا پر اس کے لیے ذلّت اور تکلیف مقدر کردی تھی جو پوری ہوکر رہی۔ واقعہ یوں ہوا کہ دلیپ سنگھ کے بعض رشتہ داروں نے اُس سے خط وکتابت شروع کردی اور اُسے لکھا کہ کبھی پنجاب آؤ اور درشن دے جاؤ۔ اُس کے دل میں بھی خیال ہوا کہ چلو اپنے وطن ہو آئیں۔ چنانچہ اس کی ماں رانی جنداں کے ایک عزیز سردار سنت سنگھ نے اُسے خط لکھا جس کا جواب حسب ذیل ہے۔

''ایلوڈن ہال۔ تھیٹ فورڈ سفک

میرے پیارے سردار سنت سنگھ

آپ کا خط وصول کر کے مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ آپ نے جو اپنی خدمات میرے لیے پیش کی ہیں ان کے لیے میں تہ دل سے ممنون ہوں۔ مگر مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں۔ چونکہ برٹش گورنمنٹ میرے ساتھ انصاف سے انکاری ہے لہٰذا میں 16 دسمبر کو انگلستان چھوڑ دوں گا اور خاموشی سے دہلی میں رہائش اختیار کرلوں گا۔

> سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجلس انصاراللہ برطانیہ کے سالانہ اجتماع 2021ء سے خطاب کرتے ہوئے انصار کو توجہ دلائی کہ
>
> ''دین کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پھیلانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے ہمیں تعلق باللہ میں بھی ترقی کرنی ہوگی، تقویٰ میں بھی ترقی کرنی ہوگی، اپنے علم کو بڑھانے کی کوشش بھی کرنی ہوگی، اللہ تعالیٰ کے احکامات پر پوری طرح کاربند رہنے کے لیے بھی کوشش کرنی ہوگی۔''

کیونکہ اب میں بہت غریب ہو چکا ہوں۔

اپنی مرحومہ امّاں کے رشتہ دار سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔

جیسا کہ آپ نے سن لیا ہوگا کہ میں نے پھر سے آبائی مذہب قبول کرلیا ہوا ہے۔مَیں آپ کو ''واہ گرو جی دی فتح'' کہہ کر سلام عرض کرتا ہوں۔

دلیپ سنگھ 7/اکتوبر1885ء''

مہاراجہ دلیپ سنگھ نے برٹش حکومت سے اپنی سلطنت کے عوض بہت سارے مطالبات پیش کیے تھے اور متعدد درخواستیں زیرِ غور تھیں۔مگر جیسا کہ اس قوم کی عادت ہے وہ ٹال مٹول کرتے تھے۔ان تمام باتوں سے دل برداشتہ ہو کر وہ واپس وطن آنا چاہتے تھے اور عیسائیت قبول کرنے کے باوجود بھی ان کا کچھ لحاظ نہ ہوا اس لیے وہ ان لوگوں سے بہت سخت متنفر ہو گئے تھے۔

اُوپر والا خط مہاراجہ نے اکتوبر 1885ء میں لکھا کہ وہ واپس وطن آرہے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی مشیت کچھ اَور تھی۔

نومبر 1885ء میں جمال الدین صاحب سیکھوانیؓ حضرت اقدس امام الزماں مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی ملاقات کے لیے قادیان گئے۔اُن کا بیان ملاحظہ ہو:

''یہ خاکسار در ماہِ نومبر 1885ء کو واسطے ملاقات جناب مرزا صاحب موصوف کے گیا اور اسی روز منجانب اللہ بابت مہاراجہ دلیپ سنگھ کے منکشف ہوا تھا وہ میرے پاس اور نیز کئی آدمی جو اس وقت موجود تھے ظاہر کیا کہ یہ لوگ آمدن دلیپ سنگھ کے (باعث) سرور و خوشی کر رہے ہیں۔یہ سرور ان کو حاصل نہ ہوگا۔مجھ کو خدا کی طرف سے ظاہر ہوا ہے کہ جب وہ آئے گا بہت شدائد و مصائب اٹھائے گا بلکہ یہاں تک کہ اُس وقت مرزا صاحب نے فرمایا کہ اس کی لاش ایک صندوق میں مجھے دکھلائی گئی ہے۔'' (رجسٹر روایات صحابہ 4 صفحہ 155، تذکرہ صفحہ 137 طبع دوم)

نیز حضرت اقدسؑ نے اشتہار 20/فروری 1886ء میں بھی لکھا کہ

''ایک دیسی امیر نووارد پنجابی الاصل کی نسبت مجھے بعض متوحش خبریں جو کسی کے ابتلا اور کسی کی موت وفوتِ اعزّہ وغیرہ پر دلالت کرتی ہیں......منجانب اللہ منکشف ہوئی ہیں۔'' (تذکرہ صفحہ 137 طبع دوم)

اسی طرح حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے کتاب ''شحنۂ حق'' صفحہ 56 پر اپنی پیشگوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''دلیپ سنگھ کی نسبت پیش از وقوع اس (لالہ شرمپت) کو بتلایا گیا کہ مجھے کشفی طور پر الہام ہوا ہے کہ پنجاب کا آنا اس کے لیے مقدر نہیں۔یا تو یہ مرے گا اور یا ذلّت اور بے عزتی اُٹھائے گا اور اپنے مطلب سے ناکام رہے گا۔''

اور یہ پیشگوئی حضرت اقدسؑ علیہ السلام نے اُس وقت کی تھی جب سارے پنجاب میں اس کی آمد کا چرچا اور شور مچا ہوا تھا۔چنانچہ جب مہاراجہ دلیپ سنگھ صاحب سفر کرتے ہوئے عدن پہنچے تو گورنمنٹ آف انڈیا نے برٹش گورنمنٹ کی ہدایات کے ماتحت اُن کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔گیانی گیان سنگھ نے لکھا ہے:

''گورنمنٹ آف انڈیا کو اس کا عام چال چلن مشتبہ نظر آیا۔اس وجہ سے اُسے عدن سے واپس انگلینڈ جانے کا حکم ہوا۔'' (تواریخ گورو خالصہ صفحہ 710)

نیز اس لیے کہ گورنمنٹ نے سوچا ہوگا کہ اگر دلیپ سنگھ پنجاب گیا تو سکھوں

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اگر ہمارے عمل اس قابل نہیں، ہماری عبادتیں سوز و گداز سے بھری ہوئی نہیں، ہم اللہ کی نظر میں مقبول نہیں تو لاکھ ہم ﴿نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ﴾ کہتے رہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔اور دوسرے لوگ آکر یہ مقام لے جائیں گے۔اللہ تعالیٰ تو اس طرح قبول نہیں کرتا وہ تو یہی کہے گا کہ پہلے اپنی حالت درست کرو، اپنے اعمال درست کرو، انسانی حقوق ادا کرو، پھر میرے دین کے مددگار کہلا سکتے ہو۔''

(سالانہ اجتماع انصار اللہ یوکے 2005ء سے خطاب)

کے سوئے ہوئے جذبات بھڑک جائیں گے اور عین ممکن ہے کہ یہ قوم بغاوت کردے اور تمام امن برباد ہو جائے۔بہرحال خدائی مشیّت یہ تھی کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ وطن نہ آئیں۔

مہاراجہ دلیپ سنگھ نے اپنی خواہش کی تکمیل یوں کرلی کہ عدن کے سکھوں کو بلوا کر ''پوہل'' لے لیا۔یعنی دوبارہ سکھ مذہب قبول کرلیا۔

جب جہاز مغربی فرانس کی بندرگاہ مارسیلز پہنچا تو دلیپ سنگھ وہاں سے پیرس سے ہوتا ہوا زارِ روس کے پاس چلا گیا مگر وہاں زار نے بھی اُسے مُنہ نہ لگایا اور آخر کار خجل خوار ہو کر وہ واپس انگلستان آ گیا۔

لندن واپس آکر جب وہ ملکہ وکٹوریا سے ملنے گیا تو اس نے ملاقات ہی نہ کی۔ملکہ کو غصہ یہ تھا کہ اس نے عیسائیت کیوں ترک کی۔آخر کار بڑی مشکل سے شرفِ ملاقات بخشا مگر پرانی توجہ نہ ہوئی۔پھر دلیپ سنگھ نے پارلیمنٹ میں دی ہوئی اپنی درخواستیں بھی واپس لے لیں مگر ملکہ نے پھر بھی کوئی توجہ نہ دی۔

مہاراجہ دلیپ سنگھ کی غیر حاضری میں اس کی مصری نژاد بیوی نے اپنے خاوند کی جدائی سے متاثر ہو کر بندرگاہ ڈوور (Dover) کے قریب سمندر میں چھلانگ لگا کر خودکشی کرلی۔

غرضیکہ خدا کا فرمان جو اس کے پیارے مسیح کی زبان سے جاری ہوا تھا ہر طرح سے پورا ہوا۔دلیپ سنگھ کو وطن دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ذلت اور بے عزتی ہوئی۔اعزّہ کی وفات کے سلسلہ میں بیوی فوت ہوگئی اور ہر طرح ناکام رہا۔اور یہی الہام کا مفہوم تھا۔

دلیپ سنگھ کی ایک لڑکی بمبا سنگھ نے لاہور میڈیکل کالج کے پرنسپل ڈاکٹر کرنل سدرلینڈ سے شادی کرلی تھی۔کرنل صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو آخری بیماری میں دیکھا تھا اور علاج معالجہ بھی کیا تھا۔اور انہی کی تصدیق پر انگریز اسٹیشن ماسٹر لاہور نے حضورؑ کی نعش کو گاڑی میں لے جانے کی اجازت دی تھی۔

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق الٰہی

(وحید احمد)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسی عظیم اور مقدس شخصیات تھیں جنہوں نے سرور کائنات، رحمۃ للعالمین کی براہِ راست رفاقت اور مصاحبت پائی اور اطاعتِ رسول ﷺ میں ایسی شاندار قربانیوں کی توفیق پائی کہ اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ وَ اَعَدَّ لَھُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ تَحۡتَھَا الۡاَنۡھٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡھَا اَبَدًا ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡم (سورہ توبہ:100)

ترجمہ: اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں۔ وہ ہمیشہ ان میں رہنے والے ہیں۔ یہ بہت عظیم کامیابی ہے۔

ان بابرکت وجودوں کو یہ مقام کیسے اور کیوں کر ملا؟

اس کا جواب تو یہی ہے کہ انہوں نے سیّدنا حضرت محمد ﷺ کی کامل اتباع کی اور اس اتباع کے نتیجہ میں اپنے پروردگار سے سچی محبت انہیں اس بلند مقام تک لے گئی۔ ان پاک ہستیوں کو براہِ راست آنحضور ﷺ سے استفادہ کرنے کا موقع میسر آیا جس کے نتیجہ میں قرآن پاک سے محبت اور احکام الٰہی پر لبیک کہنے اور ان پر عمل پیرا ہو کر رَضِیَ اللّٰہُ کا مرتبہ پانے کی سعادت ملی۔ انہی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللّٰہِ (35:30) کہ انہوں نے کتاب اللہ کی تلاوت، اس پر غور اور تفکر سے، اللہ کی تخلیق اور اس کے وجود کی حقیقت سمجھتے ہوئے اس کے حضور شکر کے جذبات پیش کیے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک اَور جگہ اُن کا ذکر یوں فرمایا ہے کہ الَّذِیۡنَ ھُمۡ فِیۡ صَلَاتِھِمۡ خٰشِعُوۡنَ (23:3) یعنی جب خشیت الٰہی کا عرفان حاصل ہوا تو کائنات کی مادی اور روحانی تخلیق پر غور کے نتیجے میں ان کے قدم آگے بڑھتے چلے گئے۔

الغرض خالق کائنات نے خود اپنی کتاب رحمٰن میں ان کو بشارت دی کہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے:

وَاِنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ شَمۡسٌ مُّنِیۡرَۃٌ
وَبَعۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ بَدۡرٌ وَّ کَوۡکَبٗ

(ترجمہ) یقیناً رسول اللہ ﷺ روشن سورج ہیں اور آپؐ کے بعد باقی سب چاند ستارے ہیں۔ (کرامات الصادقین، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 103)

صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ سے اپنی محبت کا اظہار آپؐ کی ہر رنگ میں اتباع کر کے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا گُر یوں بیان فرمایا تھا:

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ (آلِ عمران:33)

ترجمہ: تُو کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

سرور کائنات ﷺ کی اسی بے مثال اطاعت و اتباع نے صحابہ رضوان اللہ علیہم کے دلوں میں اللہ عزّ وجلّ سے عشق کی ایسی لَو جلائی جس نے خدا تعالیٰ کی محبت سے وہ روشنی پیدا فرما دی کہ آپؐ نے اپنے صحابہ کو یہ مرتبہ عطا فرمایا کہ: أصحابی کالنجوم بأیھم اقتدیتم اھتدیتم۔

قیام الصلوٰۃ

صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اس کا ماحاصل یہی ہوگا اور ہر مرتبہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ آغوشِ اسلام میں آنے کے بعد ان کا صرف ایک ہی مطمحِ نظر تھا کہ کسی طور انہیں اللہ تعالیٰ کی محبت میسر آ جائے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت اور عشق کے اظہار کا سب سے بہترین طریق جو انہوں نے اپنے دل وجان سے پیارے محبوب سے سیکھا تھا وہ نماز کی ادائیگی ہی تھا۔

چنانچہ صحابہ کرامؓ کے حالات زندگی پر غور کیا جائے تو خدا تعالیٰ سے راز و نیاز کرنا اُن کی زندگیوں کا اوڑھنا بچھونا بن چکا تھا۔ گویا اُن کی زندگی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ کی تعمیل کے لئے وقف ہو چکی تھی۔ احادیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ قرآن کریم کے حکم الَّذِیۡنَ ھُمۡ فِیۡ صَلَاتِھِمۡ خٰشِعُوۡنَ (3:23) کے تحت مصروف رہتے۔

صحابہؓ کو نماز خصوصاً نماز باجماعت کے اہتمام کا اس قدر احساس تھا کہ جب جماعت ہونے لگتی تو سخت سے سخت مصروفیت میں بھی تمام کاروبار چھوڑ کر سیدھے مسجد کی طرف روانہ ہو جاتے تھے۔ حضرت سفیان ثوریؒ، صحابہؓ کے متعلق فرماتے تھے کہ ''صحابہؓ کاروبار اور محنت مزدوری کرتے تھے لیکن نماز مفروضہ کو جماعت کے ساتھ کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔''

حضرت عمرؓ کے بارہ میں آتا ہے کہ جس دن حضرت عمرؓ کو زخم لگا جس سے آپ کی شہادت ہوئی اس سے ایک رات قبل لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ کو صبح کی نماز کے لیے جگائیں؟ اس پر آپؓ نے فرمایا کہ ہاں ضرور جگائیں کیونکہ جو شخص نماز چھوڑ دے اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ چنانچہ اسی حالت میں کہ زخم سے مسلسل

خون جاری تھا نماز فرض ادا کی۔ (مؤطا)

قرآن کریم نے انہی صحابہؓ کے بارہ میں فرمایا تھا کہ

وَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ (70:35)

اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں پر محافظ رہتے ہیں۔

کئی کمزور اور معذور صحابہؓ دوسروں کا سہارا لے کر مسجد پہنچتے۔ اگرچہ بارش میں آنحضور ﷺ نے اجازت دی ہوئی تھی کہ نماز گھر پر پڑھ لی جائے لیکن صحابہؓ پھر بھی مسجد پہنچ جاتے۔ کئی بار بہت دیر تک مسجد آ کر آنحضور ﷺ کا انتظار کرتے تا کہ آپؐ کی اقتدا میں نماز ادا کرسکیں۔ محبوب سے محبوب چیز بھی اگر نماز میں خلل انداز ہوتی تو اُن کی نظر میں مکروہ ہو جاتی۔ حضرت ابوطلحہؓ ایک روز اپنے بہت خوبصورت گھنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک چڑیا شاخوں میں پھنس گئی جس سے آپؓ کی نماز سے توجہ ہٹ گئی اور یاد نہ رہا کہ کتنی رکعات پڑھ لی ہیں۔ دل میں کہا کہ اس باغ نے یہ فتنہ پیدا کیا ہے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد باغ کو صدقہ میں دے دیا۔ اسی طرح ایک اَور صحابی کی توجہ اپنے باغ میں نماز پڑھتے ہوئے پھل سے لدے ہوئے درختوں کی طرف منتقل ہوگئی تو نماز سے فارغ ہو کر سیدھے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر باغ کو صدقہ میں پیش کر دیا جو پچاس ہزار پر فروخت ہوا۔

حضرت ابی ابن کعبؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری مسلمان کا گھر میرے علم کے مطابق مسجد سے سب سے زیادہ دُور تھا لیکن جماعت کے ساتھ اس کی ایک نماز بھی چھٹتی نہ تھی۔ کسی نے اس سے کہا کہ بہتر ہوگا کہ تم ایک گدھا خرید لو اور دوپہر کی گرمی اور رات کے اندھیرے میں اس پر سوار ہو کر مسجد آیا کرو۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں تو یہ بھی پسند نہ کروں گا کہ مجھے مسجد کے پہلو میں رہائش کے لئے مکان مل جائے کیونکہ میرا دل چاہتا ہے کہ میرے مسجد کو چل کر آنے اور گھر واپس جانے کا ثواب میرے اعمال نامہ میں لکھا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا جواب سن کر فرمایا ’’قَدْ جَمَعَ اللّٰہُ لَکَ ذٰلِکَ‘‘ اللہ تعالیٰ نے یہ سب ثواب اکٹھا کر کے تمہارے لئے رکھا ہے۔

نماز سے محبت اور لگاؤ دراصل صحابہ کرامؓ کی اللہ تعالیٰ سے ذاتی محبت اور قرآن پاک کی اس تعلیم کا عکاس ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے؛

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(الانعام:163)

ترجمہ: تُو کہہ دے کہ یقیناً میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے۔

ذکرِ الٰہی اور نوافل

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دل اور روح صبح و شام، رات اور دن، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ذکرِ الٰہی سے معطر رہتی۔ اسی عمل کا نتیجہ تھا کہ ہمارے سید و مولیٰ ﷺ فداہ نفسی نے فرمایا اَللّٰہ اَللّٰہ فِی اَصْحَابِی کہ میرے صحابہ میں خدا ہی خدا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے حالات زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ان کی روح کی غذا اور ان کے دل کی لذت بن گیا تھا اور ان کی زبانوں پر سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُلِلّٰہِ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَللّٰہُ اَکْبَر، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کا ورد جاری رہتا۔ ان کو خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان ورثہ میں نہیں ملا تھا بلکہ انہوں نے جان اور مال اور عزت اور جذبات اور وقت کی قربانی کر کے خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق کو پیدا کیا تھا اور جب مکہ کی پتھریلی زمین پر تپتی دوپہر میں ننگے بدن ان کو لٹا کر گھسیٹا جاتا تھا تب بھی ان کی زبان سے خدائے واحد کا ذکر بلند ہوتا تھا۔ سیّدنا بلالؓ کے واقعہ کو کیونکر فراموش کیا جاسکتا ہے جب آپ کو تپتی ریت پر لٹا دیا جاتا اور اس ظلم و بربریت کی وجہ سے آپؓ بے ہوش ہو جاتے لیکن جونہی ہوش آتا تو آپؓ کی زبان مبارک پر خدا تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان ہوتا۔ فرماتے: اَحد، اَحد کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ ایک ہے۔

صحابہ کرامؓ کے دن رات ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے کی کیفیت کا اندازہ اس روایت سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ نے حضرت حارثؓ سے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ بولے یارسول اللہ خدا پر صدقِ دل سے ایمان رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ عرض کیا: دنیا سے میرا دل بھر گیا ہے اس لئے رات کو جاگتا ہوں، دن کو بھوکا پیاسا رہتا ہوں۔ گویا مجھ کو خدا کا عرش علانیہ نظر آتا ہے اور اہل جنت کو باہم ملتے جلتے دیکھ رہا ہوں اور گویا اہلِ دوزخ مجھے چیختے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے حقیقت کو پالیا اب اس پر قائم رہو۔ (اسد الغابہ)

نوافل ذکرِ الٰہی کا خصوصی ذریعہ ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ نوافل کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں بڑھتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے ہاتھ اور پاؤں اور آنکھ اور کان بن جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کو نوافل سے جو رغبت اور الفت تھی اس کا تذکرہ احادیث اور سیرت کی کتب میں کثرت سے ملتا ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ مغرب کی نماز سے قبل اذان ہوتے ہی صحابہؓ مسجد کے ستونوں کے قریب تیزی سے جاتے اور امامت کے لئے حضور ﷺ کے تشریف لانے تک نوافل میں مصروف رہتے۔ (بخاری)

صحابہ میں ذکرِ الٰہی کا ذوق وشوق بلا تفریق تھا۔ امیر و غریب صحابہ سب کے سب اس میں برابر کے شریک تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ غریب مہاجرین آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضور اہل ثروت بڑے درجات پا گئے ہیں کیونکہ وہ ہماری طرح ہی نمازیں پڑھتے ہیں، ہماری طرح ہی روزے رکھتے ہیں مگر ان کے پاس زائد مال ہے جس کے ذریعہ وہ حج اور عمرہ اور جہاد اور صدقہ میں شریک ہوتے ہیں (مگر ہم ایسا نہیں کر سکتے)۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایک ایسی بات نہ بتاؤں جس کے ذریعہ تم اپنے سے پہلوں سے بھی اور بعد میں آنے والوں سے بھی آگے بڑھ جاؤ گے اور کوئی شخص تم سے فضیلت نہ لے جاسکے گا مگر بایں شرط کہ وہ بھی وہی کرنے لگے جو تم کرتے ہو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ضرور بتائیے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار تسبیح، تحمید اور تکبیر کیا کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد وہ غریب مہاجرین پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی یہ بات سن لی ہے اور یہ ذکرِ الٰہی انہوں نے بھی شروع کر دیا

ہے۔ حضورؑ نے فرمایا کہ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ کہ پھر یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔

حضرت معاویہؓ سے مروی ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور کچھ صحابہؓ کو حلقہ باندھے بیٹھے ہوئے دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم کس مقصد سے یہاں بیٹھے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہاں اس لئے بیٹھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور اس نے جو احسانات ہم پر کیے ہیں اور دین کی طرف جو ہدایت ہمیں دی ہے اس پر اس کی حمد کریں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا خدا کی قسم کھا کر کہتے ہو کہ تمہارا مقصد صرف یہی ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا ہاں خدا کی قسم ہمارا مقصد صرف یہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا میں نے یہ قسم تمہیں اس لئے نہیں دلوائی کہ مجھے تم پر کوئی شک تھا۔ بات صرف یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتا ہے۔ (مسلم)

غسق اللیل وصلوٰۃ تہجد

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی نماز تہجد کا ذکر خود خدا تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق ان کے صاحبزادے سالم روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عبداللہ کتنا ہی اچھا آدمی ہے اگر وہ رات کو نفل پڑھا کرے۔

سالم کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد ابن عمر رات کو تھوڑا ہی سوتے تھے اور زیادہ وقت نماز تہجد میں گزارتے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا گھر رات بھر ذکر الٰہی سے اس طرح معمور رہتا تھا کہ انہوں نے اور ان کی بیوی اور خادم نے رات کے تین حصے کر لیے تھے۔ ان میں سے ایک جب تہجد سے فارغ ہو چکتا تھا تو دوسرے کو نماز کے لئے جگا دیتا تھا۔

بعض صحابہ کو نماز تہجد میں اتنا غلو ہو جاتا تھا کہ حضور ﷺ ان کو اعتدال اور میانہ روی کی تلقین کرتے اور اپنے نفس کا حق ادا کرنے کی نصیحت فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓو بن عاص کی روایت ہے کہ میں نے ارادہ کر لیا کہ میں اپنی تمام زندگی دن کو روزہ رکھوں گا اور تمام رات نفل پڑھوں گا۔ حضور ﷺ کو میرے اس ارادہ کی خبر ہوئی تو آپؐ نے پوچھا کیا یہ بات صحیح ہے؟ میں نے جواب دیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں یہ بات صحیح ہے۔ آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔ نماز کے لئے بھی اٹھو اور کچھ دیر رات کو سو کر گزارو اور ہر ماہ تین دن کے روزے رکھ لیا کرو کیونکہ نیکی کا بدلہ دس گنا ہوتا ہے۔ میں نے کہا حضور مجھے اس سے زیادہ طاقت ہے۔ فرمایا دو دن روزہ رکھو اور ایک دن چھوڑ دو۔ میں نے کہا مجھے اس سے بھی زیادہ طاقت ہے۔ فرمایا تو پھر حضرت داؤد علیہ السلام کی سنت کے مطابق ایک دن روزہ رکھو، ایک دن چھوڑ دو۔ اس سے زیادہ روزہ رکھنا فضیلت کی بات نہیں۔

امّ المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ برابر نماز میں مصروف رہتیں اور جب تھک جاتیں تو دوستونوں میں ایک رسی باندھ رکھی تھی اس سے سہارا لے لیتی تھیں تا کہ نیند نہ آنے پائے۔ آنحضرت ﷺ نے رسی کو دیکھا تو فرمایا کہ ان کو صرف اسی قدر نماز پڑھنی چاہیے جو ان کی طاقت میں ہو اور اگر تھک جائیں تو بیٹھ جانا چاہیے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے وہ رسی کھلوا کر پھینکوا دی۔ (بخاری)

تلاوت قرآن پاک اور حفظِ دعا

صحابہؓ کا تلاوت قرآن اور حفظ قرآن اور تدبّر قرآن کا ذوق وشوق معروف ہے۔ صحابہؓ قرآن کریم کے اس ارشاد اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا (79:17) پر عمل پیرا ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔

حضرت عبّاد بن بشرؓ ایک انصاری صحابی تھے۔ آپ کی عبادت اور قرآن کریم کی تلاوت کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات آنحضرت ﷺ تہجد کے وقت جاگے تو مسجد سے قرآن کریم کی تلاوت کی آواز آرہی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لئے بہت جلدی جاگا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ آواز عباد کی ہے؟ حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے عرض کی کہ انہی کی آواز لگتی ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو دعا دی کہ اے اللہ عبّاد پر رحم کر۔ (صحیح البخاری حدیث 2655)

عرب معاشرے میں شعر و شاعری کو بڑی عظمت حاصل تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے عرب کے ایک چوٹی کے شاعر کو، جو مسلمان ہو گئے تھے، فرمایا کہ اپنے کچھ اشعار سناؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ اسلام لانے کے بعد میں شاعری ترک کر چکا ہوں کیونکہ قرآن شریف کی سورتوں کی تلاوت نے اب مجھے شاعری سے مستغنی کر دیا ہے۔

صحابہؓ کے شوق تلاوت قرآن کا یہ عالم تھا کہ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن عمرؓ کی کثرت تلاوت دیکھ کر فرمایا کہ پورے ایک مہینے میں ایک بار قرآن ختم کرو۔ انہوں نے عرض کی کہ میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیس دن میں۔ گزارش کی کہ میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا: پندرہ دن میں۔ بولے کہ مجھ میں اس سے بھی زیادہ طاقت ہے۔ ارشاد ہوا کہ دس دن میں۔ عرض کی مجھ میں اس سے بھی زیادہ طاقت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اچھا سات دن میں ہی قرآن مجید ایک بار پڑھ لیا کرو اور اب اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ (ابوداؤد)

"اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ" عبادت کا مغز دعا ہے۔ دعا پر کامل یقین خدا تعالیٰ کی ہستی پر پختہ یقین اور اس سے محبت کا پیمانہ ہے۔ ایک بار حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہٗ گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو بسم اللہ کہہ کر رکاب میں پاؤں رکھا۔ پشت پر پہنچے تو الحمد للہ کہا۔ پھر خدا تعالیٰ کی تسبیح بیان کی پھر اور دعا کی "سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا......الخ" پھر تین بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور تین بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا۔ اس کے بعد یہ دعا پڑھی "سُبْحَانَکَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ"۔ پھر حضرت علیؓ ہنس پڑے۔ لوگوں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو بولے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح سوار ہوئے اور اسی طرح حضور ﷺ نے دعائیں اور اذکار پڑھے اور پھر ہنس پڑے۔ ہنسنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ جب بندہ علم و یقین کے ساتھ یہ دعا کرتا ہے تو خدا اس سے خوش ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

تبتّل الی اللہ

صحابہؓ کا ہر لحہ اپنے خالق حقیقی کی رضا جوئی میں صرف ہوتا اور ہمیشہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار رہتے تھے۔ اس لاثانی محبت اور پیار کی وجہ سے ان

کے قلوب بہت نرم اور گداز تھے۔قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کے مواعظات سننے اور ذکرِ الٰہی اور دعا کے ساتھ ان میں رقت پیدا ہوتی تھی۔ روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جب قرآن مجید کی آیت ''اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا......'' پڑھتے تو بے اختیار رو پڑتے تھے اور دیر تک روتے تھے۔ایک بار انہوں نے حضرت عمرؓ کو یہ آیت پڑھتے سنا ''فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ'' تو اس قدر روئے کہ داڑھی اور گریبان دونوں تر ہو گئے۔

حضرت ابوبکرؓ بہت نرم خُو اور جلد رقت میں آ جانے والے تھے۔جب قرآن پڑھتے تو آنسوؤں کو روک نہیں سکتے تھے۔کفارِ مکّہ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو گھبرا گئے اور ان کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں اُن کی عورتیں اور بچے اسلام کی طرف راغب نہ ہو جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ کی عظیم قربانیوں کا تذکرہ اپنی تحریر و تقریر میں جا بجا فرمایا ہے۔حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات جو سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں بیان فرمائے ہیں پیش کرتا ہوں:

''ایک صحابی کی بابت لکھا ہے کہ جب اس کے ہاتھ کاٹے گئے تو اس نے کہا کہ میں وضو کرتا ہوں۔آخر لکھا ہے کہ سر کاٹو تو'' (پھر کہا کہ) ''سجدہ کرتا ہے۔کہتا ہوا مر گیا۔اس وقت اس نے دعا کی کہ یا اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچا دے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مدینہ (میں) تھے۔جبرائیل علیہ السلام نے جا کر السلام علیکم کہا۔آپ نے علیکم السلام کہا اور اس واقعہ پر اطلاع ملی۔غرض اس لذت کے بعد جو خدا تعالیٰ میں ملتی ہے ایک کیڑے کی طرح کچل کر مر جانا منظور ہوتا ہے'' (جس طرح ان صحابی نے کہا تھا میں نے ربِّ کعبہ کو پا لیا۔جو انتہا تھی عشق کی وہاں میں پہنچ گیا۔) فرماتے ہیں کہ ''اور مومن کو سخت سے سخت تکالیف بھی آسان ہی ہوتی ہیں۔سچ پوچھو تو مومن کی نشانی ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ مقتول ہونے کے لئے تیار رہتا ہے۔اسی طرح اگر کسی شخص کو کہہ دیا جاوے کہ یا نصرانی ہو جا یا قتل کر دیا جائے گا۔اس وقت دیکھنا چاہیے کہ اس کے نفس سے کیا آواز آتی ہے؟ آیا وہ مرنے کے لئے سر رکھ دیتا ہے یا نصرانی ہونے کو ترجیح دیتا ہے۔اگر (وہ) مرنے کو ترجیح دیتا ہے تو وہ مومن حقیقی ہے ورنہ کافر ہے۔غرض ان مصائب میں جو مومنوں پر آتے ہیں اندر ہی اندر ایک لذت ہوتی ہے۔بھلا سوچو تو سہی کہ اگر یہ مصائب پُر لذّت نہ ہوتے تو انبیاء علیہم السلام ان مصائب کا ایک دراز سلسلہ کیونکر گزارتے۔'' (ماخوذ از ملفوظات جلد 2 صفحہ 308-309)

حضرت مسیح موعودؑ ایک موقع پر صحابہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بڑے سیدھے سادے تھے جیسے کہ ایک برتن قلعی کروا کر صاف اور ستھرا ہو جاتا ہے ایسے ہی ان لوگوں کے دل تھے جو کلام الٰہی کے انوار سے روشن اور کدورتِ نفسانی کے زنگ سے بالکل صاف تھے۔گویا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا کے سچے مصداق تھے۔''

پھر (حضرت مسیح موعودؑ نے) فرمایا کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جسم کی طرح ہیں اور (آپؐ کے) صحابہ کرامؓ آپ کے اعضاء ہیں۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح رنگ میں صحابہ کے مقام کو بھی پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے نمونوں پر چلتے ہوئے اپنے اخلاص و وفا کو بھی بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔'' (آمین) (خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ 9 مارچ 2018ء)

بقیہ از صفحہ 18:

محترم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم سابق امیر جماعت راولپنڈی

کوئی معنے نہیں رکھتا۔اگر کسی احمدی کی جان چلی جائے تو ہم خلیفۂ وقت کو کیا جواب دیں گے کہ چند لاکھ روپے کی خاطر ہم نے یہ انتظام نہیں کیا تھا۔

راولپنڈی شہر کے حالات کی خرابی کے بعد جب وہاں کی مسجد میں جمعہ کی ادائیگی کی اجازت نہیں ملی تو حلقوں میں جمعہ پڑھایا جانے لگا۔اس بات کا اُن کو بہت شدت کے ساتھ احساس تھا کہ جماعت کے ساتھ رابطہ نہیں ہو رہا۔جماعت ایک جگہ جمع ہو جاتی ہے تو امیر جماعت کو بہرحال ہدایات دینے اور ان کی رہنمائی کرنے، اور ان کی باتیں سننے سمجھنے کا موقع مل جاتا ہے۔لیکن وہاں تو دفتر تک میں بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی، ہر چیز سیل (Seal) کر دی گئی تھی۔قائد خدام الاحمدیہ کہتے ہیں کہ خاکسار کو ہدایت تھی کہ اس صورتحال میں اُن کو مختلف حلقوں میں ہونے والے جمعہ کے لیے لے جایا کروں تا کہ لوگوں کے ساتھ رابطہ قائم رہے۔لیکن مَیں کوشش کرتا تھا کہ ایسی جگہ نہ لے کر جاؤں جہاں سیڑھیاں چڑھنی پڑیں کیونکہ ان کو گھٹنوں کی تکلیف تھی۔لیکن ایک بار انہوں نے خود ہی کہا کہ بیت الحمد مری روڈ کا پروگرام بنائیں۔اس پر مَیں نے عرض کی کہ امیر صاحب وہاں تو بہت سیڑھیاں ہیں اور آپ کو بہت تکلیف ہوگی۔لیکن آپ نے کہا کہ نہیں، کچھ نہیں ہوتا، دوستوں سے ملے بہت وقت ہو گیا ہے۔

مرکزی عہدیداروں کا بھی بہت احترام تھا۔یہ بھی امراء کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ مرکزی عہدیداروں کو عزت و احترام دیں۔گو ان کا مطالبہ کوئی نہیں اور کسی مرکزی عہدیدار کے دل میں خیال آنا نہیں چاہیے کہ مجھے عزت و احترام ملے۔لیکن جماعتوں کا، افراد کا، جماعتی عہدیداروں کا، امراء وغیرہ کا کام ہے کہ اس بات کا خیال رکھا کریں۔کہتے ہیں کہ ایک دفعہ صدر صاحب خدام الاحمدیہ پنڈی آئے ہوئے تھے تو انہوں نے کہا کہ میں نے ملاقات کرنی ہے۔صدر صاحب نے کہا کہ میں آ جاؤں گا مجھے وقت بتا دیں تو انہوں نے کہا کہ نہیں، آپ نہیں آئیں گے۔آپ وہیں رہیں جہاں ٹھہرے ہوئے ہیں، میں آپ کو ملنے کے لیے خود آؤں گا۔

پھر جب یہاں آئے ہیں تو پنڈی جماعت کی بڑی فکر تھی۔مستقل رابطہ قائد صاحب سے رکھا ہوا تھا اور ان کی رہنمائی کرتے تھے۔ (اخبار الفضل یکم جنوری 2013ء)

حضورِ انور نے نمازِ جمعہ کے بعد آپ کا حاضر جنازہ پڑھایا۔بعد ازاں شفقت سے آپ کے ماتھے پر ہاتھ پھیرا اور سلام کر کے رخصت کیا۔اگلے دن حضورِ انور نے تمام فیملی کو شرفِ ملاقات بخشا، تدفین کی تفصیلات پوچھیں اور نصائح فرما کے رخصت کیا۔حضرت بیگم صاحبہ نے آپ کی اہلیہ سے تعزیت کی اور تسلی دی۔ بعد ازاں جنازہ بذریعہ جہاز راولپنڈی پاکستان اور پھر بذریعہ ایمبولنس ربوہ لے جایا گیا اور بہشتی مقبرہ دارالفضل کے قطعہ بزرگان میں تدفین عمل میں آئی۔

اردو زبان میں ایک خوبصورت ویب سائٹ

khadimemasroor.uk

محترم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم سابق امیر جماعتہائے راولپنڈی

(فرخ سلطان محمود)

(قسط دوم۔ آخر)

محترم فضل الرحمٰن خان صاحب کی پیدائش 26؍دسمبر 1929ء کو ضلع اٹک کے گاؤں چونترہ میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام عبدالغفور صاحب اور والدہ کا نام فردوس بی بی تھا۔ آپ سے بڑی تین بہنیں تھیں جن میں سے ایک بچپن میں فوت ہوگئی۔ آپ کے دادا مولوی شرف دین صاحب 1890ء کے قریب چونترہ سے کوہاٹ چلے گئے اور وہاں بطور پٹواری ملازم ہوگئے۔ پھر انگریز حکومت کے ماتحت وہ کوہاٹ سے پاڑہ چنار کرم ایجنسی چلے گئے اور وہاں عرضی نویسی اور حکمت کا کام شروع کردیا۔ آپ نے وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کروائی جس میں امامت بھی کرتے۔

مولوی شرف دین صاحب نے 1894ء میں سورج اور چاند گرہن کا نشان اپنی برہنہ آنکھوں سے دیکھا ہوا تھا اور اس وجہ سے آپ کی آنکھ کو کسی حد تک نقصان بھی پہنچا تھا۔ حضرت احمد نور صاحبؓ اپنے وطن افغانستان جاتے ہوئے پاڑہ چنار میں واقع آپ کی مسجد میں ہی قیام کرتے اور ان کے ذریعے جب آپ کو احمدیت کا پیغام ملا تو سعید روح ہونے کی وجہ سے آپ کے دل نے اسے فوراً قبول کرلیا۔ اگرچہ آپ نے بیعت اُس وقت تو نہیں کی لیکن احمدیت کی طرف میلان کی وجہ سے آپ کو اپنی ہی مسجد سے خود دستبردار ہونا پڑا۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ کئی سال کے بعد جب آپ کے بیٹے محترم مولوی عبدالغفور صاحب نے 1924ء میں پہلے خط کے ذریعے اور پھر ایک سال بعد قادیان جاکر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی سعادت حاصل کی تو یہ سارے مراحل اپنے والد کی اجازت اور خوشنودی کے ساتھ طے کیے۔ اُس وقت مولوی عبدالغفور صاحب کی شادی ایک مقامی امام مسجد کی بیٹی سے ہوچکی تھی اور ایک بیٹی بھی تھی۔ چنانچہ ابتدا میں انہوں نے اپنے والد کی ہدایت پر اپنی بیعت کو بیوی سے پوشیدہ رکھا۔ لیکن اگلے ہی سال اُن کی اہلیہ نے خودخواہش کرکے قادیان کا سفر اختیار کیا اور وہاں جاکر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کرلی۔ بیعت کے بعد مولوی عبدالغفور صاحب نے خدا تعالیٰ کے بے شمار قبولیتِ دعا کے معجزے دیکھے جن سے نہ صرف اُن کا ایمان مضبوط ہوا بلکہ ظاہری زندگی میں بھی آسودگی اور عزت عطا ہوئی۔ حضرت مصلح موعودؓ اور بعض دیگر بزرگوں کی دعاؤں کی قبولیت کے نشانات کو وہ اپنی ساری زندگی بیان کرتے رہے۔ محترم مولوی شرف دین صاحب نے 1936ء میں بیعت کی سعادت پائی جبکہ 1942ء میں 112 برس کی عمر میں وہ وفات پاگئے۔

محترم فضل الرحمٰن صاحب نے 1938ء میں قریباً نو سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ قادیان کا پہلا سفر کیا۔ اس بابرکت سفر کی یادیں آپ کے ذہن میں آخری عمر تک تازہ تھیں۔ آپ بیان کیا کرتے تھے کہ اُس وقت مجھے یہ تو علم تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ وفات پاچکے ہیں لیکن میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کو زندہ سمجھتا تھا۔ قادیان پہنچ کر پتہ چلا کہ اب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا دَور ہے۔ قادیان میں ہمارا قیام پشاور کی جماعت کے ساتھ تھا۔ دارالمسیح کے قریب رہائشگاہ واقع تھی۔ فرش پر پرالی بچھی ہوتی تھی اور اس پر بستر بچھا کر سویا کرتے تھے۔ صبح چائے پینے بازار جاتے تھے۔ بعض دکانیں بڑی اچھی بنی ہوئی تھیں جو دودھ، چائے اور مٹھائی وغیرہ کی ہوتی تھیں۔ وہاں جو ایک عجیب چیز دیکھی وہ یہ کہ دکان کے اندر بڑا لمبا میز پڑا ہوا ہے اور اس کے اوپر کھانے پینے کی چیزیں چُنی ہوئی ہیں؛ کیک، پیسٹریاں، بسکٹ وغیرہ۔ آپ نے جو چیز کھانی ہے وہاں سے لیں اور اپنی میز پر بیٹھ کر کھائیں۔ پھر باہر جاتے وقت دروازے کے پاس بیٹھے مالک کو خود بتادیں کہ کیا کھایا ہے۔ وہ حساب کرکے آپ کو رقم بتادے گا۔ مجھے یہ بڑی عجیب چیز لگی کہ کوئی نہیں چیک کر رہا۔ ایک آدمی جھوٹ بول کے زیادہ کھاجائے اور کم بتائے اور اپنے پیسے بچالے۔ لیکن وہاں یہ چیز عام تھی کہ یقین تھا کہ کوئی دھوکا بازی نہیں کرے گا۔ بعد میں یہ نظارہ کہیں نظر نہیں آیا۔

ہم وہاں اباجان کے ساتھ بہشتی مقبرہ میں جاتے رہے۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی تو مَیں نے بھی مصافحہ کیا اور نذرانہ پیش کیا۔ ایک بزرگ خاتون کے ہمراہ جاکر حضرت اماں جانؓ سے بھی ملاقات کی۔ چند دیگر بزرگ شخصیات سے بھی ملاقات کی۔ ایک صبح دس گیارہ بجے ہم حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ سے ملنے گئے تو پتہ چلا کہ مولوی صاحب مسجد مبارک میں نفل پڑھ رہے ہیں۔ ہم وہاں چلے گئے۔ وہ اُس چھوٹے سے کمرے میں نماز پڑھ رہے تھے جہاں حضرت مسیح موعودؑ کو سرخ روشنائی کا نشان ملا تھا۔ ہم جاکر پیچھے انتظار میں بیٹھ گئے۔ حضرت مولوی صاحبؓ التحیات پر بیٹھے تھے اور تھوڑی اونچی آواز میں جو پڑھ رہے تھے وہ ہم پیچھے بیٹھ کرسن سکتے تھے۔ کئی دفعہ درود پڑھا۔ مجھے یاد ہے کہ بچپن کی وجہ سے میں بیٹھے بیٹھے تھک گیا۔ بہرحال ہم بیٹھے رہے۔ جب مولوی صاحب نے سلام پھیرا تو اُن سے مصافحہ کیا۔ اباجان نے کچھ سوالات پوچھے اور انہوں نے جواب دیے۔ ایک سوال یہ تھا کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے کوئی نشان دیکھا ہے؟ فرمانے لگے کہ ایک دن حضرت مسیح موعودؑ جب صبح مسجد میں تشریف لائے تو بتایا کہ آج کوئی نشان ظاہر ہوگا۔ ہم سارا دن اس انتظار میں رہے کہ کیا بات ہوتی ہے تو شام کے وقت ہم نے دیکھا کہ ایک روشن گولہ غالباً مشرق سے نمودار ہوا اور بڑی

تیزی سے بڑھا اور ہماری آنکھوں کے سامنے سے گزر کر مغرب میں کہیں دُور جا گرا۔ معلوم ایسے ہوا کہ کہیں گرا ہے لیکن جب آدمی بھگائے اور تلاش کیا تو جہاں ہمیں لگا تھا کہ گرا ہے وہاں کے لوگ کہتے ہم نے دیکھا ہے وہ آگے گرا ہے، وہاں جب آدمی پہنچے تو پھر پتہ لگا کہ وہاں نہیں گرا بہت آگے گرا ہے۔ اصل میں وہ گرا کہیں بھی نہیں تھا لیکن معلوم یہی ہوتا تھا کہ آگے گرا ہے۔ (اس پیشگوئی کی تفصیل تتمہ حقیقۃ الوحی پرانا ایڈیشن صفحہ 81-82 پر درج ہے۔)

حضرت مولوی سرور شاہ صاحبؓ سے بھی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ صبح کے وقت سورۂ فاتحہ پڑھا کرو اس کے بعد درود شریف اور دیگر مسنون دعائیں پڑھو اور گھر سے نکلنے سے پہلے اپنے ماتھے پر ''یا عزیز'' لکھ لیا کرو، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم پر کسی شخص کا رعب نہیں پڑے گا۔ اگر کسی حاکم کے سامنے بھی پیش ہونا پڑے تو تم مرعوب نہیں ہو گے۔ وہ بتانے لگے کہ وہ خود بھی یہ وظیفہ کرتے ہیں اور ساری زندگی اس کی برکت مشاہدہ کی ہے۔

حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ اور حضرت میاں شریف احمد صاحبؓ سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ ماشاء اللہ دونوں بھائی بہت خوبصورت اور وجیہ تھے۔ دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ بہت بزرگ شخصیات ہیں۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے لمبا چوغا پہنا ہوا تھا اور ہاتھ میں چھڑی تھی۔ اُن سے بعد میں ربوہ میں بھی ملاقات رہی۔ ہم جب کبھی راستے میں ان سے ملاقات کرتے تو سلام کرتے اور دعا کے لیے کہتے۔ اُن کا طریق کار یہ تھا کہ جب کوئی دعا کے لیے کہتا تو وہیں کھڑے ہو جاتے کہ اچھا بھائی دعا کر لیتے ہیں۔ اور جب دعا کے لیے وہ ہاتھ اٹھاتے تو اِدھر اُدھر سے گزرنے والے بھی دعا میں شامل ہو جاتے۔

1939ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خلافت کو 25 سال ہو گئے تھے تو سلور جوبلی کا جلسہ ہوا جو تین کی بجائے چار دن کا تھا اور چوتھے دن انتظام یہ تھا کہ تمام جماعتیں اپنی اپنی رہائشگاہوں سے باقاعدہ جلوس بنا کر روانہ ہوں گی۔ ہمارے امیر حضرت قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری تھے جن کی قیادت میں ہم حضرت مسیح موعودؑ کے اشعار پڑھتے ہوئے اور بینرز اٹھائے ہوئے چلے جن پر ''جماعتہائے احمدیہ صوبہ سرحد'' لکھا تھا۔ پھر جلسہ گاہ میں وہ بینرز زمین میں نصب کر کے ان کے پاس بیٹھ گئے۔ حضرت چودھری ظفر اللہ خان صاحبؓ نے اس موقع پر چند ہفتے قبل تحریک کی تھی کہ چونکہ یہ خوشی کا موقع ہے اس لیے جماعت کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں نذرانہ پیش کرنا چاہیے۔ غالباً تین لاکھ روپے اکٹھے ہوئے تھے اور اس رقم کی تھیلی حضرت چودھری صاحبؓ نے سٹیج پر حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کی اور حضورؓ نے اس کو قبول فرمایا۔ پھر حضور قدس نے خطاب فرمایا تو اس میں ساری رقم تقسیم کر دی اور بتایا کہ اتنی رقم دعوت و تبلیغ کی نظارت کو لٹریچر شائع کروانے کے لیے، اتنی فلاں مسجد بنانے کے لیے، اتنی جامعہ احمدیہ کے طالبعلموں کی تعلیم کے لیے جائے گی وغیرہ۔ پھر اس موقع پر پہلی مرتبہ لوائے احمدیت بھی لہرایا گیا جسے حضورؓ کی تحریک پر حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہ اور صحابیات نے خود روئی بیج کر، کات کر اور رنگ دے کر تیار کیا تھا۔ یہ لوائے احمدیت اب بھی محفوظ ہے۔

مکرم فضل الرحمٰن صاحب کو بہت بچپن میں ہی آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعودؑ کی خواب میں زیارت ہوئی اور یہ واضح خواب آپ کو آخری عمر تک بخوبی یاد تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم پاڑہ چنار (کرم ایجنسی) سے حاصل کی اور مڈل ورنیکولر کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کیا۔ اس کے بعد آپ کے والد کی تبدیلی رزمک ہوگئی جہاں فیملی نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ باقی فیملی کو چونترہ بھیج دیا گیا جبکہ آپ راولپنڈی چلے گئے اور کرسچین مشن ہائی سکول سے نویں جماعت پاس کی۔ پھر آپ کے والد کی تبدیلی پشاور ہوگئی تو انہوں نے ساری فیملی کو وہاں بلوا لیا۔ چونکہ آپ بہت ذہین طالب علم تھے اس لیے مشن سکول راولپنڈی نے آپ کو میٹرک اپنے سکول سے کرنے کی صورت میں تعلیمی اخراجات کی پیشکش بھی کی لیکن آپ نے اپنے والد کی خواہش کو ترجیح دی اور پشاور چلے آئے اور 1947ء میں اسلامیہ ہائی سکول پشاور سے میٹرک اعزاز کے ساتھ پاس کیا۔ ابتدا سے ہی آپ تمام مضامین میں بہت لائق تھے لیکن ریاضی میں ہمیشہ سو فیصد نمبر لیتے تھے۔ ایک امتحان میں ریاضی کے استاد نے آپ کے پرچے میں ایک سوال کو غلط قرار دیا تو آپ نے استاد کو بتایا کہ استاد نے اس سوال کو ہی غلط سمجھا ہے۔ جب استاد کو اپنی غلطی کی سمجھ آگئی تو انہوں نے آپ کے نمبر سو فیصد کر دیے اور دوسرے طلبہ جن کو اس سوال کے نمبر دیے جا چکے تھے، اُن سے پرچے واپس لے کر اُن کے نمبر کم کر دیے۔ بہرحال آپ نے اسلامیہ کالج پشاور سے F.Sc. کر کے پنجاب کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور میں داخل لیا اور 1954ء میں بی ایس سی میکینیکل اور سول انجینئرنگ کے امتحانات پاس کر کے میدانِ عمل میں قدم رکھا۔ آپ نے ابتدائی ملازمت تھل ڈیویلپمنٹ اتھارٹی اور پھر پاکستان انڈسٹریل ڈیویلپمنٹ کارپوریشن (PIDC) میں کی۔ یہ ملازمت قائدآباد اور پھر حیدرآباد سندھ میں تقریباً 13 سال جاری رہی۔ 1967ء میں بنوں شوگرمل میں آپ نے پہلے بطور مینیجر اور پھر بطور جنرل مینیجر سات سال تک کام کیا۔ 1974ء کے ہنگامی حالات میں بنوں سے آدھی رات کو اپنی فیملی کے ساتھ آپ کو سرکاری احکامات کے تحت ہجرت کرنا پڑی۔ اس کے بعد آپ پانچ سال کے لیے پاکستان منرل ڈیویلپمنٹ کارپوریشن کے جنرل مینیجر تعینات رہے۔ پھر 'سٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن' کے تحت 'کوہاٹ سیمنٹ فیکٹری' میں مینیجنگ ڈائریکٹر کی حیثیت سے 5 سال خدمات سرانجام دیں۔ 1984ء سے پرائیویٹ فیکٹو گروپ (FECTO) کے ساتھ تقریباً سولہ سال کام کیا اور سنگجانی سیمنٹ فیکٹری کے پراجیکٹ ڈائریکٹر رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی اسی آرگنائزیشن کے ساتھ بطور ایڈوائزر منسلک رہے۔ آپ تمام زندگی اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہے اور اپنی امانت، دیانت اور شرافت کی وجہ سے مشہور رہے۔

محترم فضل الرحمٰن صاحب کی شادی محترمہ گوہر سلطانہ صاحبہ بنت ڈاکٹر محمد زبیر صاحب سے 9 دسمبر 1961ء کو ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب آپ کے چچازاد تھے اور پاڑہ چنار میں رہتے تھے۔ وہ بھی بہت شریف النفس، غریب پرور اور بہت دعا گو انسان تھے۔ کئی لوگوں کے وظیفے لگائے ہوئے تھے جو اُن کی وفات کے بعد گھر والوں کے علم میں آئے۔

مکرمہ گوہر سلطانہ صاحبہ نے 7/اکتوبر 2021ء کو 79 سال کی عمر میں لندن میں وفات پائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ان کی

نماز جنازہ حاضر اسلام آباد (یوکے) میں پڑھائی۔ بعدازاں جنازہ ربوہ لایا گیا جہاں بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ مرحومہ انتہائی نیک، دعاگو، دیندار، نماز روزہ کی پابند، قرآن کریم کی باقاعدہ تلاوت کرنے والی اور خلافت کے ساتھ اخلاص و وفا کا تعلق رکھنے والی بزرگ خاتون تھیں۔ آپ کے شوہر جب امیر ضلع راولپنڈی تھے تو آپ نے ہمہ وقت اُن کی ہر معاملے میں خدمت اور سپورٹ کی۔ اپنے حلقہ میں لجنہ کی سیکرٹری خدمت خلق کے طور پر بھی خدمت کی توفیق پائی۔ گھر میں کام کرنے والے ملازمین کا بہت خیال رکھا کرتی تھیں۔ 2005ء میں جب پاکستان میں زلزلہ آیا تو لجنہ ممبرات کے ساتھ ملٹری ہسپتال جاکر مریضوں کی تیمارداری اور خدمت کرتی رہیں۔ بہت باہمّت خاتون تھیں۔ کینسر کی مریضہ تھیں لیکن آخری وقت تک بہت ہمّت اور حوصلے سے اس کا مقابلہ کیا۔ مرحومہ موصیہ تھیں۔ آپ سے محترم فضل الرحمٰن خان صاحب کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو متعدد پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں سے بھی نوازا۔ آپ کے ایک بیٹے مکرم عطاء القدوس صاحب آجکل ریجنل امیر اسلام آباد (یوکے) کے طور پر اور ایک بیٹے مکرم ڈاکٹر حبیب الرحمٰن صاحب بحیثیت صدر جماعت ریجائنا (کینیڈا) خدمت کی توفیق پارہے ہیں۔

محترم فضل الرحمٰن خان صاحب کا اپنے تمام عزیزوں کے ساتھ بہت محبت کا تعلق تھا۔ آپ کی شخصیت میں ایک ایسی کشش تھی کہ تمام افرادِ خاندان آپ کی بہت عزت کرتے تھے اور آپ کے پاس اپنے مسائل لےکر آتے تھے۔ آپ بڑی فراست سے ان کو مشورے دیتے تھے۔ اپنے والدین کا بے حد احترام اور اطاعت کرتے تھے۔ آپ کے والد نے 96 سال کی عمر میں وفات پائی اور آپ کو اُن کی خدمت کا بے انتہا موقع ملا۔ دفتر سے آکر سیدھے اُن کے پاس جاتے اور اکثر کھانا بھی ان کے پاس بیٹھ کر کھاتے۔ اپنے بچوں کو ہمیشہ تاکید کرتے کہ دادا جان کو تنہائی کا احساس نہیں ہونے دینا۔ اسی طرح اپنے ساس سسر کی بھی بہت عزت کرتے۔ آپ کی ساس اور سسر دونوں کا جنازہ آپ کے گھر سے اٹھا اور اس کا سارا انتظام آپ نے خود کروایا۔

آپ گھر میں ہمیشہ ذکرِ الٰہی اور دینی باتیں کرنا پسند کرتے تھے۔ جب بھی موقع ملتا تو تربیت کی کوئی نہ کوئی بات ایسے احسن رنگ میں بیان کرتے کہ سننے والے پر بہت اثر ہوتا۔ TV پر لغو پروگرام نہ خود دیکھتے نہ گھر میں کسی کو دیکھنے کی اجازت ہوتی۔ البتہ اچھے پروگرام اور کھیل کے میچ بچوں کے ساتھ بیٹھ کر دیکھتے۔ اپنے بچوں کو ہر دنیاوی سہولت پہنچانے کی کوشش کرتے لیکن کسی بھی چیز کا بے جا استعمال نہیں کرنے دیتے تھے۔ بہت مہمان نواز تھے۔ اگر اچانک کوئی مہمان آجاتا اور گھر پر کوئی خاص چیز مہیا نہ ہوتی تو بازار سے منگوا لیتے۔ مہمان نوازی کے ساتھ ساتھ آپ کو دوسروں کی تکلیف کا بھی بہت احساس رہتا تھا۔ آپ جب فیکٹو سیمنٹ میں کام کرتے تھے تو بیرونِ ملک سے کئی دفعہ انجینئر آتے تھے۔ اُن میں جرمنی کے ایک انجینئر John Boie بھی تھے جن کی دونوں ٹانگیں دوسری جنگِ عظیم میں ضائع ہوگئی تھیں اور وہ نقلی ٹانگیں استعمال کرتے تھے۔ یہ صاحب ہوٹل پرل کانٹی نینٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور روزانہ صبح آپ کے ساتھ ہی گاڑی میں فیکٹری جاتے تھے۔ ایک دن آپ کے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ وہ رات کا کھانا نہیں کھاتے اور صرف چائے پی لیتے ہیں۔ وجہ پوچھنے پر کہنے لگے کہ شام کو جب وہ ہوٹل پہنچتے ہیں تو ابھی کھانے کا وقت نہیں ہوتا اور چونکہ وہ تھکے ہوئے ہوتے ہیں تو ٹانگیں اتار کر لیٹ جاتے ہیں۔ اس کے بعد کھانے کے وقت دوبارہ ہمت نہیں ہوتی کہ دوبارہ ٹانگیں لگا کر کھانے کے لیے جائیں۔ آپ کو اس بات سے بہت تکلیف ہوئی اور اس دن سے آپ John Boie کو روزانہ اپنے گھر لے آتے اور کھانا کھلا کر بھیجتے۔ ان کے جرمنی جانے کے بعد بھی آپ نے اُن سے تعلق رکھا اور ہر سال گرمیوں کے موسم میں انہیں آموں کا تحفہ بھجواتے رہے۔

آپ کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ لیکن آپ کا پسندیدہ موضوع ہمیشہ اسلام احمدیت ہی رہا۔ آپ خداداد ذہنی فراست کے مالک تھے۔ معاملے کی تہ تک فوراً پہنچ جاتے تھے۔ کبھی گھبراتے نہیں تھے۔ کوئی بھی مشکل وقت آیا تو دعا کا سہارا لیا اور سب کو تسلی دی۔ وقت کے بہت پابند تھے۔ جمعہ کی نماز کے لیے تیاری تو صبح سے ہی شروع کر دیتے۔ بزرگوں کے ساتھ محبت کا تعلق رکھتے۔ راولپنڈی کی جماعت کے عمر رسیدہ بزرگ محترم عبدالغفار ڈار صاحب نماز کے لیے سائیکل پر مسجد آتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ سائیکل سے گر گئے اور کچھ چوٹیں بھی آئیں۔ اس پر آپ نے کہا کہ آئندہ وہ سائیکل پر نہ آئیں بلکہ مَیں اُن کے لیے گاڑی اور خادم بھجواؤں گا۔

آخری دس پندرہ سالوں میں آپ کی صحت اچھی نہیں تھی۔ اس عرصے میں آپ کو شوگر، بلڈ پریشر اور دل کے عارضے ہو گئے تھے۔ لیکن آپ کی بیماری آپ کے کاموں میں کبھی حارج نہیں ہوئی۔ آخری دو تین سال سے ٹانگوں میں کمزوری کی وجہ سے زیادہ چل پھر نہیں سکتے تھے اس لیے جب گھر سے باہر جاتے تو کئی دفعہ وہیل چیئر استعمال کرتے۔ ہر سال گرمیوں میں اپنے بچوں کے پاس یورپ جاتے اور تین چار ماہ گزارتے۔ لندن آنے اور واپسی کے وقت ہمیشہ خلیفہ وقت سے اجازت لیتے۔ آخری بیماری سے پہلے بھی اجازت لینے گئے تھے تو خلافِ معمول حضور نے فرمایا کہ خان صاحب! ابھی یہیں رہیں۔ چنانچہ آپ لندن میں ٹھہر گئے۔ صحت دن بدن کمزوری کی طرف مائل تھی۔ وفات سے تین چار دن پہلے سانس کی تکلیف کی وجہ سے ہسپتال میں داخل ہوئے۔ 29/اکتوبر 2012ء کی دوپہر آپ کو دل کا دورہ ہوا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے 2/نومبر 2012ء کو مسجد بیت الفتوح لندن میں خطبہ جمعہ کے دوران اپنے اس فدائی اور جانثار کی صفات حسنہ اور خوبیوں کا تفصیل سے ذکر فرمایا۔

حضور انور نے فرمایا کہ محترم فضل الرحمٰن خان صاحب امیر ضلع راولپنڈی کی 29/اکتوبر 2012ء کو مختصر علالت کے بعد 83/سال کی عمر میں وفات ہوگئی ہے۔ یہ ان دنوں یہیں تھے۔ جلسے پر آئے تھے۔ اُس کے بعد پھر ان کو میں نے کہا کہ کچھ دیر رُک جائیں۔ بیماری تو ان کی کافی لمبا عرصہ سے چل رہی تھی لیکن ماشاءاللہ ذہن بالکل الرٹ (Alert) تھا اور بڑی ہمت سے انہوں نے امارت کی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں۔ (پھر مرحوم کے حالات زندگی بیان کرنے کے بعد حضور انور نے فرمایا:) خلافت اور نظام جماعت سے والہانہ عشق تھا۔ ہر محفل میں آپ کی گفتگو کا محور جماعتی واقعات، صحابہ حضرت مسیح موعود کی زندگی کے واقعات اور خلفائے احمدیت ہوتے تھے۔ ہمیشہ خلافت کی اطاعت اور خلیفہ وقت سے مضبوط تعلق کی

تاکید اپنی اولاد کو بھی کرتے رہے۔ انتہائی دعا گو انسان تھے۔ بچے کہتے ہیں کہ روزانہ صبح گھر سے نکلنے سے پہلے سب کو بٹھا کر دعا کروایا کرتے تھے اور پچھلے دنوں جب یہ ہسپتال میں رہے ہیں تو وہاں بھی غنودگی کی حالت سے جب بھی باہر آتے تھے تو پھر بچوں کو یہی کہتے تھے کہ اب ہاتھ اٹھا کے دعا کرلو۔ ان کے پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو بیٹیاں اور چار بیٹے ہیں۔ ان کی بڑی ہمشیرہ وفات پا گئی تھیں تو ان کے بچے چھوٹے تھے۔ ان کی پرورش انہوں نے کی بلکہ ان کی بچیوں میں سے ایک بچی کو دو دفعہ بڑا صدمہ ہوا تو اس کا بڑا خیال رکھا۔ اس بچی کو دو دفعہ بیوگی کو دیکھنا پڑا اور دونوں دفعہ شہداء کی بیوہ بنی۔

قائم مقام امیر راولپنڈی مبارک احمد صاحب لکھتے ہیں کہ جماعت کا رکن خواہ چھوٹا ہے یا بڑا، مرد ہے یا عورت، آپ کی شفقت بے پایاں سے ذاتی طور پر فیضیاب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار قائدانہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ انہی خداداد صلاحیتوں کا نتیجہ تھا کہ آپ کے دورِ امارت میں جو نومبر 1998ء سے شروع ہوا جماعت راولپنڈی نے اموال ونفوس کے لحاظ سے ہر شعبے میں نمایاں ترقی کی اور راولپنڈی کا شمار ملک کی جو اچھی جماعتیں ہیں ان میں ہونے لگا۔ مجموعی طور پر آپ کی جماعتی خدمات کا عرصہ نصف صدی کے عرصہ میں پھیلا ہوا ہے۔ متعدد مرکزی کمیٹیوں کے ممبر رہے۔ آپ کے دورِ امارت میں تاریخ احمدیت راولپنڈی کی تدوین اور اشاعت کا کام ہوا۔ اس کے لئے آپ کو بڑھاپے اور مختلف عوارض کے باوجود کئی کئی روز مسلسل گھنٹوں بیٹھنا پڑا اور اس تاریخی دستاویز کو لفظ بہ لفظ پڑھا، سنا اور پھر اس کی منظوری دی۔ اسی طرح صد سالہ خلافت جوبلی کے موقع پر جماعت احمدیہ راولپنڈی کو ایک دیدہ زیب اور منفرد خلافت جوبلی سووینئر شائع کرنے کی توفیق ملی۔ اس کا تمام تر سہرا بھی آپ کے سر ہے کیونکہ آپ نے اس اہم کام میں ذاتی دلچسپی لی اور مضمون نگار حضرات کو ذاتی طور پر فون کر کے مضامین لکھوائے۔

حضور انور نے فرمایا کہ 1998ء میں خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کو جماعت راولپنڈی کا امیر مقرر فرمایا تھا۔ اس سے قبل آپ کو تقریباً ساڑھے چار سال تک نائب امیر کے طور پر بھی خدمات بجا لانے کی توفیق ملی۔ اس وقت مَیں ناظرِ اعلیٰ ہوتا تھا اور یہ میرے علم میں تھا کہ انہوں نے قائد خدام الاحمدیہ کی حیثیت سے کام کیا ہے جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع صدر خدام الاحمدیہ ہوتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے مجھے لکھا کہ امیر ضلع کے لیے کوئی نام تجویز کرو۔ زیادہ نام تو اس وقت میرے سامنے نہیں تھے تو میں نے انہی کا نام بھیجا تھا جس کو فوری طور پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے منظور فرمایا اور فرمایا کہ ہاں میں ان کو جانتا ہوں، یہ انتظامی لحاظ سے بھی بڑے اچھے کام کرنے والے ہیں اور ویسے بھی اخلاص و وفا کے لحاظ سے بڑے اچھے ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ کام سنبھال لیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے انہوں نے پھر خوب کام سنبھالا۔ زندگی کے آخری دن تک مفوضہ ذمہ داریوں کو انتہائی احسن رنگ میں نبھایا ہے اور خلافت کے فدائی اور جاں نثار وجود تھے اور اشاروں پر چلنا جانتے تھے۔ اس کو ایک سعادت سمجھتے تھے اور صرف جماعتی کاموں میں نہیں بلکہ میں نے ذاتی معاملات میں بھی دیکھا ہے۔ جلسے پر جب یہاں آئے تھے تو میں نے ان کو کہا کہ کچھ عرصہ یہاں رہ جائیں لیکن ان کی اہلیہ کے چہرے کے تاثرات سے مجھے لگا کہ یہ یہاں رہنا نہیں چاہتیں لیکن انہوں نے بڑی بشاشت سے کہا کہ جب تک آپ کہیں گے ان شاء اللہ ہم رہیں گے اور شاید یہیں ان کی وفات ہونی تھی اور جنازہ پڑھانا تھا اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام کیا۔

ڈاکٹر نوری صاحب سے ان کا بڑا تعلق تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کا میرے ساتھ تعلق مختلف حیثیتوں سے تھا۔ قریبی دوست بھی تھے اور ڈاکٹر کی حیثیت سے بھی۔ اور مَیں نے ان کے نائب امیر کے طور پر بھی ان کے ساتھ کام کیا، کہتے ہیں ہر لحاظ سے میں نے ان کو دیکھا۔ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ خدا تعالیٰ سے بہت ڈرنے والے، ہر قسم کے حالات میں ہمیشہ اسی پر توکّل رکھنے والے، خلافت سے آپ کا کامل وفا، پیار اور اطاعت کا تعلق تھا۔ جب بھی خلیفہ وقت کا ذکر ہوتا تو آپ کی آواز بھرّا جاتی اور آنکھوں میں آنسو رواں ہو جاتے۔ ان کا اوڑھنا بچھونا صرف اور صرف جماعت کی خدمت تھا۔ ان کو بہت سی بیماریاں لاحق تھیں اور وھیل چیئر استعمال کرتے تھے لیکن اس کے باوجود دینی خدمت کے لیے بہت محنت کیا کرتے تھے۔ کبھی شکوہ نہ کرتے تھے اور کبھی ماتھے پر بل نہ لاتے تھے۔ غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور مستحق طلبہ کا خیال رکھتے تھے۔ عزیز رشتہ داروں، مختلف پریشان حال اور مالی بحران سے متاثرہ خاندانوں کی مدد اور رہنمائی کیا کرتے تھے۔

قائد خدام الاحمدیہ ضلع راولپنڈی لکھتے ہیں کہ محترم امیر صاحب ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ آپ انتہائی ملنسار، غریب پرور، ہمیشہ راضی بقضا رہنے والے، خلافت سے دلی محبت رکھنے والے، صابر و شاکر بزرگ انسان تھے۔ دین کو دنیا پر مقدّم کرنے کی حقیقی تصویر تھے۔ ان کی شفقت اور محبت ایک باپ سے بڑھ کر تھی (اور یہ رویہ ہے جو ہر جگہ ہر امیر اور ہر صدر کا خدام الاحمدیہ کے نظام کے ساتھ اور باقی نظاموں کے ساتھ بھی ہونا چاہیے اور ہر قائد کا نوجوانوں کے ساتھ، قائدین اور صدران کو یہی رویہ رکھنا چاہیے۔) یہ لکھتے ہیں کہ خاکسار کو بھی ایک بیٹے کی طرح ان کے زیرسایہ جماعت کی خدمت کی توفیق ملی۔

حضور انور نے فرمایا کہ یہ سب خوبیاں جو ان کی بیان ہو رہی ہیں ان میں میں نے دیکھا ہے کہیں بھی کوئی مبالغہ نہیں بلکہ شاید کوئی کمی رہ گئی ہو۔ قائد صاحب لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امیر صاحب کو قیادت اور امارت کی قائدانہ صلاحیتوں سے خوب نوازا تھا۔ آپ کو ہر عہدیدار اور کارکن سے اس کی اہلیت اور قابلیت اور طاقت کے مطابق کام لینے کا سلیقہ اور ڈھنگ آتا تھا اور ہر عہدیدار بلکہ جماعت کا ہر فرد آپ کے ہر حکم اور ارشاد کی تعمیل بجا کر خوشی محسوس کرتا اور اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتا تھا۔ خدام الاحمدیہ سے ان کی شفقت بھی ایک باپ سے بڑھ کر تھی۔ خاکسار کو یہ کہنے میں کوئی وہم نہیں کہ خدام الاحمدیہ راولپنڈی نے پچھلے دس سالوں میں جو غیر معمولی ترقی اور مضبوطی حاصل کی ہے اس میں محترم امیر صاحب کا سب سے بڑا حصہ ہے۔ احباب جماعت سے محبت اور ان کی تکلیف کا بہت زیادہ خیال فرماتے تھے۔ 28 مئی کے بعد امیر صاحب نے خدام الاحمدیہ راولپنڈی کے ذمہ کافی کام لگائے جن میں کنسٹرکشن اور سیکیورٹی کے کام بھی شامل تھے۔ ان امور میں بہت زیادہ اخراجات بھی ہوئے لیکن کبھی امیر صاحب نے اس کی پروانہ کی۔ ایک موقع پر ایک احمدی عہدیدار نے ان خدشات کا اظہار کیا کہ روپیہ بہت خرچ ہو رہا ہے جس پر امیر صاحب نے کہا کہ ایک احمدی کی جان کے مقابل پر لاکھوں روپیہ بھی

باقی صفحہ 14 پر ملاحظہ فرمائیں

ایک ایمان افروز سفر کی روداد

احمدی مبلغین کی قربانیوں اور احمدیت کی ترقیات کا مشاہدہ

(بشیر احمد رفیق خان)

جون 1967ء میں لائبیریا سے برادرم مبارک احمد ساقی صاحب مرحوم امیر و مبلغ انچارج جماعت احمدیہ لائبیریا نے مجھے بذریعہ خط اطلاع دی کہ لائبیریا کے صدر مملکت مسٹر ٹب مین برطانیہ کے سرکاری دورے پر جا رہے ہیں۔ ان سے احمدیہ مسلم مشن لائبیریا کے تعلقات نہایت خوشگوار ہیں۔ مسٹر ٹب مین اکثر سرکاری تقاریب میں مکرم ساقی صاحب کو مدعو کرتے رہتے ہیں اس لئے اگر ممکن ہو تو انہیں برطانیہ میں جماعت احمدیہ برطانیہ کی طرف سے خوش آمدید کہنا مناسب و مفید ہوگا۔

خاکسار نے برطانوی فارن آفس سے مسٹر ٹب مین کی برطانیہ تشریف آوری کے بارہ میں معلومات حاصل کیں۔ پریذیڈنٹ صاحب جب برطانیہ تشریف لائے اور تین دن کی سرکاری تقاریب ختم ہوئیں تو لندن کے رائل گارڈن ہوٹل میں مقیم ہوگئے اور اس ہوٹل کا ایک پورا ونگ کرایہ پر اُن کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ میں نے ان کے پرائیویٹ سیکرٹری سے جناب صدر ٹب مین سے ملاقات کے لیے وقت مانگا۔ اگلے دن انہوں نے اطلاع دی کہ دو دن کے بعد صدر صاحب سے ملاقات کا وقت طے ہوگیا ہے۔ ملاقات کا وقت دس منٹ کا ہوگا۔ چنانچہ میں مقررہ وقت پر جناب صدر صاحب کی ملاقات کے لیے اُن کے ہوٹل پہنچ گیا۔ صدر صاحب ہوٹل کے جس وِنگ میں قیام پذیر تھے اس کا انتظام صدر صاحب کے سٹاف نے سنبھال رکھا تھا جو اُن کے ساتھ ہی لائبیریا سے آئے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ ایک لفٹ بھی ان کے لئے مخصوص تھی جس کو صدر صاحب کا سٹاف اور مہمانان ہی استعمال کر سکتے تھے۔

صدر صاحب ایک خوبصورت و آراستہ ڈرائنگ روم میں اکیلے تشریف فرما تھے۔ اُٹھ کر ملے اور حال احوال پوچھنے کے بعد ہمارے لائبیریا کے احمدیہ مسلم مشن کے کام پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ میں نے یہ خصوصی ہدایت دے رکھی ہے کہ ملکی تقاریب میں مبارک احمد ساقی صاحب کو ضرور بلایا جائے۔ میں نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور انگلستان مشن کے حالات سے انہیں آگاہ کیا۔ دس منٹ کا وقت ختم ہوا تو ان کے پرائیویٹ سیکرٹری نے دروازہ کھول کر مجھے ملاقات ختم ہو جانے کا اشارہ کیا۔ میں اُٹھنے لگا تو صدر صاحب نے فرمایا کہ ابھی تو آپ نے کافی بھی نہیں پی اور پرائیویٹ سیکرٹری کو کافی لانے کا ارشاد فرمایا۔ ہماری یہ ملاقات 45 منٹ تک جاری رہی۔ مختلف مذہبی امور پر گفتگو ہوتی رہی۔ محترم صدر صاحب باوجود عیسائی ہونے کے وحدانیت کے قائل تھے اور مذہبی رواداری کے علمبردار تھے۔ میں نے انہیں مسجد فضل لندن تشریف لانے کی دعوت دی جو انہوں نے اُسی وقت قبول کر لی اور فرمایا کہ دن اور وقت کا تعین کل کر لیں گے۔

اگلے دن اُن کے پرائیویٹ سیکرٹری نے اطلاع دی کہ صدر صاحب فلاں دن مسجد فضل تشریف لائیں گے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ صدر صاحب جب مسجد تشریف لائیں تو کھانا ہمارے ہمراہ تناول فرماویں۔ صدر صاحب نے ہماری دعوت قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے ساتھ چالیس افراد ہوں گے جن میں وزراء اور فوجی جرنیلوں کے علاوہ لائبیرین ٹی وی اور ریڈیو کا عملہ بھی ہوگا اور چند صحافی بھی ہوں گے۔

میں نے حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کو ہیگ اطلاع کی اور ان سے درخواست کی کہ اس موقع کی مناسبت سے وہ بھی تشریف لاویں۔

جس دن صدر صاحب نے مسجد تشریف لانا تھا اس دن صبح ہی برطانوی پولیس کے ایک چیف مسجد تشریف لائے اور حفاظتی انتظامات کا جائزہ لیا۔ مقامی رپورٹر بھی صبح سے ہی آ گئے اور مسجد میں صبح سے ہی خاصی گہما گہمی اور چہل پہل شروع ہوگئی۔

محترم صدر صاحب شام کے چھ بجے اپنے قافلے سمیت پولیس کے حفاظتی دستے کے ساتھ تشریف لائے۔ محترم چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ، مکرم عبدالعزیز دین صاحب مرحوم اور خاکسار نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور انہیں مسجد میں لے گئے۔ صدر صاحب مسجد میں داخل ہوئے تو مَیں نے انہیں مسجد کی تاریخ اور اہمیت تفصیل سے بتائی۔ مسجد کی زیارت کے بعد صدر صاحب کو 61 میلروز روڈ کے ہال میں لے جایا گیا جہاں کھانے کا انتظام ایک ریسٹورنٹ کے ذریعہ کیا گیا تھا۔ کھانے کے بعد مَیں نے صدر صاحب کی خدمت میں ایک استقبالیہ ایڈریس پیش کیا جو لائبیرین ٹی وی اور ریڈیو نے ریکارڈ کر لیا۔

صدر صاحب نے اپنی جوابی تقریر اس بات سے شروع کی کہ ان کی زندگی میں یہ پہلا دن تھا جس دن انہیں رات کے کھانے پر شراب مہیا نہیں کی گئی۔ لیکن انہوں نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ شراب نہ پینے سے ان کی طبیعت پر بہت خوشگوار اثر ہوا ہے۔ صدر صاحب نے اپنی تقریر میں جماعت احمدیہ کو خراج تحسین پیش کیا اور خصوصاً حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ سے ملاقات پر دلی مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ باوجود اس کے کہ لائبیریا ایک عیسائی مملکت ہے اور عیسائیت کی تبلیغ کا افریقہ میں ایک لحاظ سے مرکز ہے لیکن انہوں نے سختی سے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ تمام مذاہب کو وہاں پر اپنی تبلیغ کرنے کی آزادی ہو۔ جماعت احمدیہ نے ان کے ملک میں عوام کی جس رنگ میں خدمت کا کام شروع کیا

ہےاس پر بھی صدر صاحب نے خوشنودی کا اظہار کیا۔صدر صاحب اور میری تقاریر جولائبیرین ٹی وی اور ریڈیو نے ریکارڈ کی تھیں وہ چند دنوں بعد لائبیریا میں من وعن دکھائی گئیں۔اس کی اطلاع مکرم مبارک احمد صاحب ساقی نے خاکسار کو دی۔

دعوت کے اگلے دن جناب صدر کی طرف سے ایک خط خاکسار کو ملا جس میں صدر صاحب نے ہماری طرف سے ان کے اعزاز میں منعقدہ تقریب پر اپنے جذبات تشکر کا اظہار کیا تھا اور خاکسار کو دعوت دی تھی کہ اسی سال جولائی میں لائبیریا کی آزادی کی سالگرہ کی تقاریب میں بطور سرکاری مہمان شرکت کروں۔ چونکہ اسی سال حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اگست میں انگلستان کے دورے پر تشریف لا رہے تھے اس لئے خاکسار نے لائبیریا جانے سے معذرت کر دی۔محترم صدر صاحب نے دوسرے خط میں لکھا کہ آئندہ سال لائبیریا اپنی آزادی کا ایک سو بیسواں جشن منا رہا ہے۔ہماری طرف سے اس جشن میں شمولیت کی دعوت ہے۔یہ دعوت خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی اجازت سے قبول کر لی۔

1968ء میں لائبیریا کے سفیر مقیم برطانیہ نے خاکسار کو اطلاع دی کہ انہیں صدر ٹب مین کی طرف سے ہدایت ملی ہے کہ وہ میرے اور میرے اہل وعیال کے لئے ٹکٹ وغیرہ کا انتظام کریں۔ میری درخواست پر ٹکٹ ایسے بنوائے گئے کہ ہم جاتے ہوئے سیرالیون اور واپسی پر غانا میں احمدیت کی ترقی کا بھی مشاہدہ کر سکیں۔ چنانچہ ہم براستہ سیرالیون 24/جولائی 1968ء کو منروویا (لائبیریا) پہنچے۔ وزیر خارجہ بطور نمائندہ پریذیڈنٹ ٹب مین، ائرپورٹ پر آئے ہوئے تھے۔مسلم کانگریس لائبیریا کے نمائندگان بھی موجود تھے۔ہمارے قیام کا انتظام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں کیا گیا تھا۔شام کو احمدیہ مشن ہاؤس دیکھنے چلے گئے۔گورنمنٹ کی طرف سے ہمیں ایک ائر کنڈیشنڈ گاڑی مہیا کی گئی تھی۔پولیس Escort کا بھی انتظام تھا۔لائبیریا کی جماعت سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔بعض افراد جماعت کے اخلاص اور جماعت سے وابستگی کے جذبے نے بے حد متاثر کیا اور بار بار یہ خیال آتا رہا کہ کہاں وہ دن جب حضرت مسیح موعودؑ قادیان کے دُور افتادہ اور ہر قسم کی دنیوی آسائشوں سے محروم بستی میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور خود بقول حضور علیہ السلام کہ

کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر!

والی کیفیت تھی اور کجا یہ دن کہ افریقہ جیسے دُور دراز برِّ اعظم میں آپؑ کے مخلصین اور آپؑ پر دن رات درود وسلام بھیجنے والے عشاق کے علاوہ سربراہانِ مملکت بھی آپؑ کے خدام کی مہمان نوازی پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

اگلے دن جناب وزیر خارجہ صاحب کی معیت میں خاکسار جناب صدر صاحب سے ملنے کے لیے منروویا کے ایگزیکٹو ہاؤس گیا۔ یہ عمارت جو صدر صاحب کی آفیشل رہائش گاہ ہے، حال ہی میں 16 کروڑ ڈالر کے خرچ سے تیار ہوئی تھی۔صدر صاحب بہت تپاک سے ملے۔تھوڑی دیر میں کافی بھی آ گئی۔صدر صاحب نے جماعت احمدیہ کے کام پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ محض للہ خدمت کر رہے ہیں جبکہ بہت سارے اور مسلمان گروہ جو میرے ملک میں کام کر رہے ہیں وہ اکثر میرے پاس مال و دولت کے لالچ میں آ کر میری خوشامد کرتے ہیں۔جس سے میرے دل میں ان کی عزت نہیں رہتی۔ رقوم تو میں انہیں مہیا کر دیتا ہوں لیکن یہ سب کچھ طوعاً وکرہاً ہی کرتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ آپ کی جماعت لائبیریا میں بے لوث خدمت انجام دے رہی ہے اور انہوں نے کبھی میرے آگے جھولی نہیں پھیلائی۔

دوران گفتگو صدر صاحب نے دریافت فرمایا کہ تمہاری اہلیہ بھی تمہارے ساتھ آئی ہوئی ہے وہ ملاقات کے لیے کیوں نہیں آئیں؟ مَیں نے عرض کیا کہ وہ پردہ دار خاتون ہیں۔اس پر فوراً اپنے پرائیویٹ سیکریٹری کو بلا کر حکم دیا کہ اگلے دن مسز رفیق کی ملاقات صدر صاحب کی بیگم صاحبہ سے کرائی جائے اور یہ احتیاط کی جائے کہ دورانِ ملاقات صرف خواتین ہی موجود ہوں۔ چنانچہ اگلے روز میری اہلیہ جناب صدر صاحب کی بیگم صاحبہ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئیں اور واپسی پر مجھے بتایا کہ صدر صاحب کے حکم کی تعمیل اس طور پر کی گئی تھی کہ جب میری کار پریذیڈنٹ ہاؤس کے پورچ میں داخل ہوئی تو کار کا دروازہ ایک خاتون نے کھولا۔ لفٹ میں بھی خاتون کارکن تھیں۔بیگم صاحبہ ٹب مین بڑی تپاک سے ملیں اور ایک گھنٹہ تک جماعت کے علاوہ پاکستان میں خواتین کے حالات پر گفتگو ہوتی رہی۔ ملاقات کے اختتام پر مسز ٹب مین نے کچھ تحائف میری بیوی کو دیے۔

26 جولائی کو تقریب آزادی کے سلسلے میں ایک عصرانہ کی تقریب ہوئی جس میں خاکسار کو محترم صدر نے اپنی بائیں جانب کی کرسی پر بٹھایا۔ ماکولات و مشروبات کے بعد صدر صاحب نے ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر قوم سے خطاب فرمایا۔ خطاب کے آخر میں انہوں نے بطور خاص خاکسار کا ذکر فرمایا اور جماعت کا اچھے الفاظ میں ذکر فرمایا اور مجھے کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔مَیں کھڑا ہو گیا تو جناب صدر نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور کافی دیر تک کھڑے رہے۔یہ ایک غیر معمولی اعزاز تھا جو جماعت احمدیہ کے مبلغ کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے نصیب فرمایا۔ وگرنہ میں کیا اور میری بساط کیا۔

27 جولائی کی شام کو منروویا کے ایک ہوٹل میں مسلم کانگریس نے میرے اعزاز میں عشائیہ دیا جس میں جناب صدر ٹب مین اور برطانیہ کے سفیر بھی شامل ہوئے۔کھانے کے بعد خاکسار نے ''برطانیہ میں اسلام'' کے موضوع پر تقریر کی۔ جناب صدر نے بھی تقریر فرمائی اور تقریب کے اختتام پر مجھے ایک قیمتی کامدار چوغا اور ٹوپی پہنا کر مجھے لائبیریا کا چیف بننے کا اعزاز بخشا۔یہ تقریب لائیو ٹیلی کاسٹ ہوئی۔ اگلے دن لائبیرین ٹی وی پر خاکسار کا انٹرویو نشر کیا گیا۔کئی دیگر تقاریب بھی منعقد ہوئیں اور آخر سرکاری اعزاز کے ساتھ ہمیں غانا روانہ کر دیا گیا۔

سرزمین افریقہ کی احمدیہ جماعتوں میں

لندن سے جب ہم سیرالیون پہنچے تو جونہی ہم نے لنگی ایئرپورٹ پر جہاز سے سر باہر نکالا تو یوں محسوس ہوا کہ گویا ہم نے اپنا سر Oven میں دے دیا ہے۔ باہر سخت گرم اور مرطوب ہوا چل رہی تھی۔ایئرپورٹ ایک مختصر سی بلڈنگ میں واقع تھا۔ہم کسٹم سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو شام چار بجے کا وقت تھا۔ادھر اُدھر دیکھا کہ ہمیں کوئی لینے بھی آیا ہے یا نہیں؟ بدقسمتی سے ایک غلط فہمی کی وجہ سے ایئرپورٹ پر کوئی موجود نہ تھا۔ہمیں بڑی گھبراہٹ ہوئی۔افریقہ کی سرزمین پر یہ ہمارا پہلا قدم تھا۔ہم کسی کو جانتے نہ تھے اور ہمارے پاس فری ٹاؤن میں واقع مشن ہاؤس کا پتہ بھی نہ تھا کیونکہ ہماری ساری خط وکتابت افریقن مشنوں سے P.O Box کے

ذریعہ ہوتی تھی۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ فری ٹاؤن وہاں سے کتنے فاصلہ پر ہے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ ہم اس امید پر بیٹھے رہے کہ کوئی نہ کوئی ہمیں لینے ضرور آئے گا لیکن

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ہم اسی پریشانی میں دعاؤں میں لگے ہوئے تھے کہ ایک افریقن ہمارے پاس آیا اور کہا کہ اگر ہم نے فری ٹاؤن جانا ہے تو سامنے فری ٹاؤن جانے والی آخری بس کھڑی ہے۔ ہم بس میں سوار ہوگئے۔ ایک عجیب قسم کی پریشانی کی کیفیت طاری تھی کہ فری ٹاؤن پہنچ بھی گئے تو مشن کا پتہ کیسے حاصل کریں گے؟ بس روانہ ہونے سے پہلے ڈرائیور نے ہماری پریشانی کو بھانپ لیا اور مجھ سے پوچھا کہ مجھے فری ٹاؤن میں کہاں جانا ہے؟ میں نے کہا کہ ہم نے احمدیہ مشن ہاؤس میں قیام کرنا ہے۔ اس کے چہرے پر ایک خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی اور کہنے لگا احمدیہ مشن ہاؤس کو کون نہیں جانتا۔ آپ بالکل بے فکر ہو جائیں۔ میں آپ کو فری ٹاؤن پہنچ کر مشن ہاؤس جانے کے لیے ٹیکسی میں بٹھا دوں گا۔

لنگی سے فری ٹاؤن 50-60 میل کے فاصلے پر ہے۔ درمیان میں بذریعہ فیری دریا بھی پار کرنا پڑتا ہے۔ ہم شام کو فری ٹاؤن پہنچے تو ڈرائیور نے ایک ٹیکسی والے کو بلایا اور کہا کہ ہم نے احمدیہ مشن جانا ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے کہا کہ آپ کے مبلغ صاحب تو اس وقت مشن ہاؤس میں نہیں ہیں، وہ فلاں احمدی کے مکان پر ہیں جہاں کچھ اَور احمدی بھی جمع ہیں۔ کیا میں آپ کو مبلغ صاحب کے پاس لے جاؤں یا مشن ہاؤس پہنچا دوں؟ میں نے کہا کہ مشن ہاؤس لے چلو۔ تھوڑی دیر میں ہم مشن ہاؤس میں جا پہنچے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

ہمارا مشن ہاؤس شہر کے معروف علاقہ میں واقع ہے۔ قریب ہی جناب پریذیڈنٹ صاحب آف سیرالیون کی رہائش گاہ ہے۔ مبلغ صاحب تو نہیں تھے البتہ دو تین احمدی موجود تھے جنہیں میرے آنے کا علم تو تھا لیکن تاریخوں میں گڑبڑ ہونے کی وجہ سے یہ علم نہ تھا کہ میں نے کس دن پہنچنا تھا۔ خیر انہوں نے وہ کمرہ جہاں ہم نے قیام کرنا تھا، ہمارے لئے کھول دیا۔ ہم نے سامان رکھا اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اطمینان کی سانس لی۔ کمرہ خاصا بڑا تھا جس کے ساتھ ملحقہ غسل خانے کی سہولت بھی موجود تھی اور ایک پنکھا بھی موجود تھا۔ ہمیں بتایا گیا کہ پانی کی قلّت کے سبب، ہم نلکوں سے پانی کا استعمال بہت احتیاط سے کریں۔

ہماری پہلی رات بہت تکلیف میں گزری۔ گرمی تو تھی ہی، اوپر سے مچھروں نے ہم پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔ نیچے زمین پر سینکڑوں چیونٹیاں چہل قدمی کر رہی تھیں۔ میرے بیٹے نے اس سے قبل مچھر یا چیونٹی نہ دیکھی تھی اور نہ ہی ان کے کاٹنے کی اذیت محسوس کی تھی۔ وہ بے چارہ ساری رات ایک منٹ کے لیے بھی نہ سو سکا۔ خود ہمارے جسم مچھروں کی چاند ماری سے تار تار ہو رہے تھے۔ رات بھر میں اپنے مبلغین پر سلام و دعا بھیجتا رہا جنہوں نے سالہا سال ان ممالک میں حشرات الارض کے ساتھ گزارا کیا اور گرم و مرطوب موسم اور دشمنان احمدیت کے حملوں کو مردانہ وار برداشت کیا لیکن زبان پر اُف تک نہ لائے۔ میرا دل ان سب کے لیے جذبات تشکر و دعا سے معمور رہا۔

رات کٹ گئی۔ صبح ہماری تواضع پُر تکلف ناشتے سے کی گئی۔ پھر محترم امیر صاحب ہمیں شہر کی سیر کے لیے لے گئے۔ راستے میں جگہ جگہ ہماری ملاقات احمدی دوستوں سے کرائی گئی اور مَیں ان کی محبت، اخلاص اور جذبۂ مہمان نوازی سے متاثر ہوتا چلا گیا۔ وہ بظاہر غریب تھے لیکن دل کے امیر تھے۔ ان کے دلوں میں خلوص اور احمدیت سے محبت و وفاداری کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ انگلستان سے آئے ہوئے اپنے ایک احمدی بھائی سے مل کر خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ ہم احمدیہ سیکنڈری سکول بھی گئے۔ وہاں طلبہ و اساتذہ نے بڑی محبت سے ہمارا استقبال کیا۔ اکثر اساتذہ پاکستانی احمدی تھے۔ ہم نے عشاء کی نماز سکول کی مسجد میں ادا کی اور رات گئے مشن ہاؤس واپس آ گئے۔

تین دن فری ٹاؤن میں قیام کرنے کے بعد امیر صاحب نے ازراہ شفقت ہمیں سیرالیون کے دیگر شہروں میں احمدیہ مشن ہاؤسز دیکھنے اور احمدیوں سے ملنے کی دعوت دی۔ ہم محترم امیر صاحب کی موٹر کار میں سیرالیون کے مرکزی اور دوسرے بڑے شہر بو (Bo) کے لیے روانہ ہوئے۔ یہاں جماعت کا ایک سیکنڈری سکول مشن ہاؤس اور مسجد بھی ہے۔ فری ٹاؤن سے بو کا فاصلہ 140 میل ہے۔ راستے میں مختلف قصبات میں جماعت کے احباب سڑک کے کنارے ہمیں ملنے کے لیے جمع تھے۔ ہم ان سے ملاقات کر کے آگے روانہ ہو جاتے تھے۔ مجھے ان غریب افریقن احمدیوں کے اخلاص، احمدیت سے محبت اور ان کے جذبۂ مہمان نوازی نے بے حد متاثر کیا۔ نصف راستہ طے ہوا تو ایک بڑا قصبہ آیا، جس کا نام غالباً Mile 91 تھا۔ موسلا دھار بارش برس رہی تھی۔ ہم نے خیال کیا کہ اس شدید طوفان باد و باراں میں کسی احمدی سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ اچانک میری نظر سڑک کے کنارے کھڑے چند احمدیوں پر پڑی جو موسلا دھار بارش میں شرابور ہمیں ملنے کے لیے کھڑے تھے۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں کار سے باہر نکلا۔ ایک افریقن احمدی نے میرے سر پر چھتری تان لی اور اس طرح میں نے ہر احمدی سے گلے مل کر اپنے دل کو ایمان افروز تسکین پہنچائی۔ میں آج بھی اس نظارے کا خیال کرتا ہوں تو میرا دل ان احمدیوں کے لیے جذبات تشکر و دعا سے بھر جاتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر احمدیت سے عقیدت و محبت اور فدائیت کے نظارے کرنے ہوں تو افریقہ جا کر کیے جائیں۔

رات گئے ہم بو پہنچے اور مشن ہاؤس میں قیام کیا۔ اگلے دن لوکل مبلغ صاحب ہمیں شہر دکھانے لے گئے۔ ہم اس دوران احمدیہ سیکنڈری سکول بھی گئے اور سکول کی اعلیٰ کارکردگی کی رپورٹ سن کر بہت متاثر ہوئے۔ اس سکول کا شمار اس علاقہ کے اعلیٰ ترین سکولوں میں ہوتا ہے۔ شام کو مجھے مبلغ صاحب نے بتایا کہ بو جماعت کے ایک بزرگ اور مخلص ترین احمدی جناب الحاج علی روجرز صاحب مجھ سے ملنے کے لیے تشریف لائیں گے۔ انہوں نے بتایا کہ جناب الحاج روجرز صاحب کی قربانیاں اور مالی امداد جو وہ وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہیں، قابل ستائش ہیں۔ شام کو جناب الحاج روجرز صاحب تشریف لائے۔ لمبا قد، مضبوط جسم اور چہرہ پر روحانیت کا نور تھا۔ مجسم اخلاص کے مالک الحاج روجرز صاحب مجھ سے بڑی تپاک سے ملے اور مجھے بو آنے پر خوش آمدید کہا۔ باتوں باتوں میں مَیں نے ان سے پوچھا کہ بو میں احمدیت کیسے قائم ہوئی؟ جناب الحاج روجرز صاحب کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا کہ میں احمدیت کے بو میں قائم ہونے کا اور جماعت کے پہلے مبلغ کے تشریف لانے کا عینی شاہد ہوں۔

جناب الحاج روجرز صاحب کی زبانی یہ ایمان افروز داستان سن کر بہت لطف آیا۔ وہ یوں گویا ہوئے:

''غالباً 1939-40ء کی بات ہے، میں بوشہر میں رہتا تھا۔ میرے والدین انتہائی غریب تھے اور مجھے کسی اسکول میں داخل کروانے کے اہل نہیں تھے۔ ایک دن میں نے ڈھنڈورا پیٹے جانے کی آواز سنی۔ ایک ڈھنڈورچی بلند آواز سے یہ اعلان کرتا جارہا تھا کہ شہر میں ایک مسلمان مشنری آیا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ ہندوستان میں مسیح موعود پیدا ہو چکے ہیں جو اسلام کو دیگر ادیان پر غلبہ عطا کریں گے۔ بو میں کوئی شخص نہ تو اس کی بات سنے اور نہ ہی اسے اپنے گھر میں رہنے کی جگہ دے۔

میں نے یہ اعلان بار بار سنا۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اگر عیسائی مشنریوں کو تبلیغ کرنے کی اجازت ہے اور وہ بو میں دندناتے پھر رہے ہیں، تو پھر مسلمان مشنری کو کیوں بات کرنے سے روکا جا رہا ہے؟

میں اپنی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک میں نے ایک ہندوستانی کو دیکھا جن کے ساتھ ایک افریقن لڑکا ان کا صندوق اٹھائے چلا آرہا تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہوگیا۔ مَیں نے دیکھا کہ وہ ہندوستانی مبلغ، جن کا نام حضرت نذیر احمد علی تھا، مختلف سرایوں میں رات رہنے کی جگہ کی تلاش میں جاتے تھے اور ہر جگہ سے انکار ہوتا تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ میں نے ان کا صندوق اپنے سر پر رکھ لیا۔ اُس افریقن لڑکے کو علی صاحب نے چند سکے دے کر رخصت کردیا۔ اس طرح رہائش کے لیے جگہ تلاش کرتے کرتے شام ہوگئی، ہم تھک چکے تھے۔ نذیر احمد علی صاحب یوں بھی کمزور جسم کے مالک تھے اور فوقتاً فوقتاً آپ کو کھانسی کا دورہ بھی پڑتا تھا۔

شام ڈھلنے لگی تو جناب نذیر احمد صاحب علی نے فرمایا روجرز! یہ شہر والے ہمیں رات گزارنے کے لیے جگہ نہیں دیں گے۔ چلو شہر کے باہر کھلی فضا میں کسی درخت کے نیچے رات گزار لیں گے۔ میں نے کہا باہر تو جنگلی جانوروں کا راج ہوتا ہے، بالخصوص رات کے وقت۔ نذیر احمد علی صاحب نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، اللہ ہماری حفاظت کرے گا۔ چنانچہ ہم شہر کے باہر ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ نذیر احمد علی صاحب نے اپنا بکس کھولا اور اس میں سے ایک دری نکال کر بچھائی۔ ہم دونوں اس پر بیٹھ گئے۔ میں نے اردگرد سے سوکھی ٹہنیاں اور سوکھے پتے جمع کرکے آگ سلگائی تا جنگلی جانوروں سے محفوظ رہیں۔ انہوں نے اپنے بکس سے بسکٹوں کا ایک ڈبہ نکالا اور ہم دونوں نے چند بسکٹ کھائے۔ مَیں تو سوگیا، البتہ نذیر احمد علی صاحب نماز میں مصروف ہوگئے۔ آدھی رات کو اچانک میں نے شدید کھانسی کی آواز سنی اور میں جاگ اٹھا تو دیکھا کہ نذیر احمد علی صاحب پر دمہ کا شدید حملہ ہوا ہے۔ کھلی فضا کی مرطوب ہوا نے دمہ کی شدت میں اضافہ کردیا تھا۔ ان کو سانس لینے میں دشواری پیش آرہی تھی اور وہ انتہائی بے چینی کی حالت میں تھے۔ میں گھبرا گیا اور رونے لگ گیا۔ نذیر احمد صاحب علی نے مجھے تسلی دی اور فرمایا کہ بکس میں ایک بوتل ہے وہ مجھے دے دو۔ آپ نے اس میں سے چند گولیاں منہ میں ڈالیں۔ کچھ دیر بعد آپ کو کچھ سکون محسوس ہوا اور آپ پر غنودگی طاری ہوگئی۔ آپ آرام سے سو گئے۔ میں بھی سو گیا۔ صبح منہ اندھیرے میری آنکھ کھلی تو میں نے حضرت نذیر احمد علی صاحب کو سجدہ ریز دیکھا اور یوں محسوس ہوا، گویا ہانڈی آگ پر چڑھی ہو۔ آپ رو رو کر دعائیں مانگ رہے تھے۔ مجھ پر اس کا بے حد اثر ہوا۔ لیکن میں اس لڑکپن میں دعا، نماز اور روحانیت سے نابلد تھا۔

حضرت نذیر احمد علی صاحب نے نماز ختم کی۔ بکس سے بسکٹوں کا پیکٹ نکالا، کچھ مجھے دیے اور کچھ خود کھائے۔ اب ان کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہو چکی تھی۔ آپ نے سامان سمیٹا، دری وغیرہ صندوق میں بند کی اور پھر مجھے فرمایا کہ علی روجرز! میری ایک بات غور سے سنو۔ مجھے رات میرے خدا نے بتایا ہے کہ وہ اس شہر میں احمدیت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرے گا اور جہاں ہم نے آج رات بسر کی ہے، یہ ساری جگہ ہمیں عطا کردے گا۔ تم اس کے گواہ رہنا۔

یہ کہہ کر جناب الحاج روجرز صاحب زاروقطار رونے لگے۔ ذرا طبیعت سنبھلی تو پھر فرمانے لگے: امام صاحب! آج جس جگہ ہمارا سیکنڈری سکول ہے اسی جگہ ہم نے وہ رات گزاری تھی اب یہ سارا علاقہ ہمارا ہے۔''

الحاج روجرز صاحب سے یہ واقعہ سن کر میرا دل بھی گداز ہوگیا اور دل کی گہرائیوں سے حضرت نذیر احمد علی صاحب کے لیے دعائیں نکلیں جنہوں نے باوجود لاغری اور جسمانی کمزوری کے اور مالی پریشانی کے مردانہ وار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام سرزمین افریقہ میں پہنچایا۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

مجھے بھی حضرت مولوی نذیر احمد علی صاحب کی شاگردی کا مختصر عرصہ کے لیے شرف حاصل ہوا ہے۔ میں جب جامعۃ المبشرین میں تھا تو آپ ہمیں میدان تبلیغ میں جانے کے سلسلہ میں ہدایات دیا کرتے تھے اور میں نے آپ کی وہ مشہور اور ولولہ انگیز تقریر بھی سنی تھی، جو آپ نے آخری بار افریقہ روانہ ہوتے وقت فرمائی تھی۔ ان دنوں آپ کی صحت جواب دے رہی تھی اور یوں لگتا تھا گویا اب افریقہ گئے تو واپس نہیں آئیں گے۔

Bo میں دو دن قیام کے بعد ہم باماں ہاں کے لیے روانہ ہوئے۔ یہاں بھی جماعت کا قیام حضرت مولوی نذیر احمد علی صاحب کے ذریعہ ہوا تھا۔ راستہ دشوار گزار اور سڑک کٹی پھٹی تھی۔ راستے میں درختوں پر بندروں کی بہتات تھی۔ ہم نے اس قصبے میں ایک دن گزارا اور جماعت کے احباب سے مل کر اپنے ایمانوں کو تازہ کیا۔ ہم اپنے معلم صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بوڑھا شخص ہماری طرف آیا۔ معلم صاحب نے کہا یہ نذیر احمد علی صاحب کے اس گاؤں میں پہلی دفعہ تشریف لانے کے چشم دید گواہ ہیں۔ میں نے ان بوڑھے صاحب سے درخواست کی کہ مجھے حضرت مولوی صاحب کی اس گاؤں میں پہلی دفعہ تشریف آوری کا حال سنائیے۔ وہ کہنے لگے:

''کافی عرصہ قبل کی بات ہے تب میں نوجوان تھا۔ ہمارے گاؤں میں کبھی کبھی انگریز افسران آیا کرتے تھے لیکن شام سے پہلے پہلے چلے جایا کرتے تھے، کیونکہ یہ علاقہ غیر محفوظ تھا۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ ایک دن میں نے ایک کمزور جسم والے شخص کو دیکھا جو گاؤں کی طرف چلا آرہا تھا۔ ان کے ساتھ ایک نوکر بھی تھا جس نے ان کا صندوق اٹھایا ہوا تھا۔ دونوں پیدل تھے۔ میں دوڑ کر ان کے پاس گیا۔ انہوں نے مجھے کہا

کہ مجھے اس گاؤں کے چیف سے ملواؤ۔ میں انہیں چیف کے پاس لے گیا۔ انہوں نے چیف سے گاؤں میں ٹھہرنے کی درخواست کی اور اسے بتایا کہ وہ احمدیہ مشنری ہیں اور گاؤں والوں کو خطاب کرنا چاہتے ہیں۔ چیف صاحب نے چند سوالات کیے اور پھر انہیں اجازت دے دی۔ عصر کے وقت حضرت مولوی نذیر احمد علی صاحب نے چیف سے کہا کہ وہ لوگوں کو جمع کرنے کا حکم دیں۔ چیف صاحب نے گاؤں والوں کو جمع کیا۔ حضرت مولوی صاحب نے اپنے مترجم کے ذریعہ خطاب فرمایا اور لوگوں کو مسیح موعود کے آنے کی خبر دی اور اسلام کی تعلیمات پیش کیں۔

’’اب شام ہو چلی تھی۔ چیف نے مولوی صاحب کو کہا کہ اب آپ چلے جائیں۔ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ وہ اب اس گاؤں کو تب ہی چھوڑیں گے جب یہاں احمدیت کا پودا لگ جائے گا۔ چیف نے کہا کہ میں آپ کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا مجھے آپ کی حفاظت کی ضرورت نہیں۔ میرا خدا میرا محافظ ہے۔ آپ صرف رہائش کی اجازت دے دیں۔ چیف نے کہا آپ جب تک چاہیں یہاں رہیں اور ایک جھونپڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ خالی پڑی ہے۔ آپ اس میں رہائش اختیار کر سکتے ہیں۔

حضرت مولوی صاحب نے اس گاؤں میں چھ ماہ قیام فرمایا اور گاؤں کے بہت سارے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ حضرت مولوی صاحب نے عورتوں کو مناسب لباس پہننے کی ہدایت کی اور اس کے لئے خاصی جدوجہد کی کیونکہ اس وقت تک یہاں کی عورتیں جسم کا اکثر حصہ عریاں رکھتی تھیں۔‘‘

ہم اس ایمان افروز واقعہ کو سن کر آبدیدہ ہوگئے اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے حضرت مولوی نذیر احمد علی صاحب کے لیے دعائیں کرنے کی توفیق اس سارے سفر کے دوران ملتی رہی۔ جناب الحاج روجرز صاحب کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف احمدیت کی نعمت سے نوازا بلکہ انہیں دنیوی مال و دولت سے بھی مالا مال کیا اور اس مال و دولت کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حوصلہ بھی دیا۔ چنانچہ Bo شہر میں آپ نے اپنے دو قیمتی مکانات بمع ساز و سامان کے احمدیہ مشن کے نام ہبہ کر دیے جہاں ’’نذیر احمدیہ پریس‘‘ قائم ہوا۔

الحاج روجرز صاحب کے نواسے جناب ٹامی کالوں صاحب برطانیہ کے صدر خدام الاحمدیہ بھی رہ چکے ہیں۔ نہایت مخلص اور فدائی نوجوان ہیں۔ یہ سب ان کے بزرگ نانا جان کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

سیرالیون میں ہم نے اَور شہر بھی دیکھے اور خوب سیاحت بھی کی لیکن اس سفر کا حاصل درحقیقت مندرجہ بالا دو واقعات ہیں۔ لائیبریا کے دورہ کے اختتام پر ہم غانا کے لیے روانہ ہوئے۔ ان دنوں وہاں حضرت مولانا عطاء اللہ کلیم صاحب مرحوم امیر جماعت تھے جن کے ساتھ پیار اور محبت کا تعلق ربوہ میں قائم ہوا تھا۔ غانا میں میرے دو اور نہایت پیارے اور مخلص دوست جناب عبدالوہاب آدم صاحب اور جناب مرزا لطف الرحمٰن صاحب بھی تھے جن سے میرے تعلقات جامعۃ المبشرین کے زمانے سے تھے۔

اکرا کے ائیرپورٹ پر ہم جہاز سے باہر آئے تو محترم کلیم صاحب کو جہاز کے دروازے پر کھڑے پایا۔ ہمارا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ ہم سیدھے کسٹم ہال میں پہنچے تا اپنا سامان وصول کر سکیں۔ مختلف میزوں پر مسافروں کا سامان بکھرا پڑا

> سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
>
> ’’خیانت نہ کرو، گلہ نہ کرو، اور ایک عورت دوسری عورت پر بہتان نہ لگاوے۔‘‘ (کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 81)
>
> ’’عیب مت لگاؤ۔ اپنے لوگوں کے برے برے نام مت رکھو۔ بدگمانی کی باتیں مت کرو اور نہ عیبوں کو کرید کرید کر پوچھو۔ ایک دوسرے کا گلہ مت کرو۔‘‘ (روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 350)

تھا۔ میرا سامان بھی ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ میں اس کی طرف بڑھا تا کہ سامان کھول کر کسٹم آفیسر کو دکھا سکوں۔ وہاں پر ایک چاق و چوبند کسٹم افیسر کھڑا تھا۔ اس نے میرا پاسپورٹ دیکھا جس پر مشنری لکھا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا: کیا تم احمدیہ مشنری ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ وہ مجھے ایک الگ کمرے میں لے گیا۔ مجھے کچھ پریشانی ہوئی۔ کمرے میں جا کر اس نے کہا: مجھے احمدی مبلغین کی دعاؤں کی قبولیت پر پورا ایمان ہے۔ میں خود عیسائی ہوں مگر میں نے بہت سارے لوگوں سے احمدیوں کی قبولیت دعا کی واقعات سنے ہوئے ہیں۔ میری کوئی اولاد نہیں۔ شادی کو چند سال ہو چکے ہیں۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے صاحبِ اولاد ہونے کے لئے دعا کا مجھ سے وعدہ کریں۔ مجھے اس کے حال پر ترس آیا اور میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں ضرور اس کے لئے دردِ دل سے دعا کروں گا۔ اس کے بعد ہم کمرے سے باہر آئے۔ محترم کلیم صاحب بہت پریشان نظر آئے۔ میں نے انہیں سارا واقعہ سنایا۔ اس دوران کسٹم آفیسر صاحب نے محترم کلیم صاحب سے عاجزانہ طور پر دعا کی درخواست کی اور ہمارا سامان بغیر دیکھے اٹھا کر باہر پہنچا دیا۔ میرا دل افریقہ میں کام کرنے والے بزرگ مبلغین کے لئے بھی دعاؤں سے بھر گیا جن کی قربانیاں اور دعائیں رنگ لا رہی تھیں۔ دراصل وہی مبلغ کامیابی کا منہ دیکھتا ہے جس کا نہ صرف دعا پر ایمان ہو بلکہ وہ اپنے دل کو گداز کر کے مجسم دعا بن جائے اور جن لوگوں میں تبلیغ کرنے کا فریضہ اس کے سپرد کیا گیا ہو، وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر دل کی گہرائیوں سے ان کے لیے دعائیں کرے۔ دعا کے بغیر کوئی تبلیغ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ دعائیں ہی دلوں کے قفلوں کو کھولتی ہیں اور دعائیں ہی خشک کھیتوں کو سیراب کرتی ہیں۔

میں نے مغربی افریقہ کے سفر میں محسوس کیا کہ وہاں کے مبلغین نے قربانیوں اور جان نثاریوں کے جو ریکارڈ قائم کیے ہیں، ہمیں بھی اُن کے نقش قدم پر چلنا چاہیے اور دین کی خدمت کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

ہم نے اکرا، سالٹ پانڈ، کماسی وغیرہ کے سفر کے دوران درجنوں احمدی جماعتوں کے نظارے کیے اور وہاں کے احمدیوں کے جذبۂ تبلیغ اور ان کے پاک نمونوں کا ایک انمٹ اثر دلوں پر نقش کیا۔ اکرا میں ایک پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو انٹرویو بھی دیے اور احمدیہ سکولوں اور جامعہ احمدیہ میں بھی خطاب کرنے کی توفیق ملی۔ الحمدللہ علیٰ ذٰلک

مستدرک امام حاکمؒ (حدیث کی ایک اہم کتاب)

(طلعت حفیظ)

حضرت امام محمد بن عبداللہ بن محمد کی کنیت ابوعبداللہ اور ابن بیع ہے۔ جبکہ حاکم آپ کا لقب ہے۔ آپؒ کے اجداد میں سے ایک بزرگ تاجر ہونے کے باعث بیع کہلاتے تھے اسی نسبت سے آپ کی کنیت ابن بیع ہے اور منصب قضا پر فائز رہنے کی وجہ سے آپ کو حاکم کا لقب ملا۔ آپ کی ولادت 3 ربیع الاول 321ھ/936ء کو نیشاپور میں ہوئی۔ آپ شافعی المذہب تھے۔

امام صاحب ایک متدیّن اور علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ تعلیم کا آغاز اپنے والد کی سرپرستی میں کیا جنہیں امام مسلمؒ (صحیح مسلم کے مصنف) کو دیکھنے کا شرف حاصل تھا۔ نیشاپور اس وقت علماءِ فن اور محدثین کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یہاں سے تعلیم حاصل کر کے امام حاکمؒ نے بیس برس کی عمر میں دوسرے علمی مراکز (بخارا، بغداد، کوفہ، بصرہ، مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ) کا رخ کیا۔ بغداد کا سفر آپ نے دو مرتبہ کیا۔ آپؒ کے مشہور اساتذہ میں ابن حبّان، دارقطنی اور ابوبکر الصبغی شامل ہیں۔ جبکہ آپؒ کے بعض مشہور شاگردوں میں ابویعلی خلیلی (الارشاد فی معرفۃ المحدثین کے مصنف)، ابوالقاسم قشیری (صاحب رسالہ قشیریہ و چہل حدیث) اور ابوبکر بیہقی (صاحب سنن الکبریٰ) شامل ہیں۔

امام حاکمؒ حدیث میں غیر معمولی کمال و امتیاز رکھنے کی بنا پر ”امام المحدثین، الحافظ الکبیر، شیخ المحدثین اور سید المحدثین“ کے القابات سے یاد کئے جاتے ہیں۔ علامہ ابن العماد فرماتے ہیں ”نہ صرف خراسان بلکہ ساری دنیا میں اقلیم حدیث کی تاجداری آپ پر ختم ہوگئی“۔ علامہ ابن صلاح اور حافظ نووی نے صحاح ستہ کے مصنفین کے بعد جن سات محدثین کو نہایت صاحب کمال قرار دیا ہے ان میں امام دارقطنی کے بعد دوسرا نام حاکم کا ہی بتایا ہے۔

امام حاکمؒ کو حفظ میں بھی اعلیٰ مقام پر رکھا جاتا ہے اور الحافظ فی الحدیث کہلاتے ہیں۔ آپؒ زہد و اتقاء میں بھی ممتاز تھے، اسی وجہ سے دارقطنیؒ آپؒ کی خاص عزت کیا کرتے تھے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ ایک روز امام حاکم اپنے استاد دارقطنیؒ کے ہاں حدیث پڑھ رہے تھے اور مجلس میں کئی ماہرینِ فن بھی جلوہ افروز تھے کہ کسی شاگرد نے حاکم پر اعتراض کیا تو امام دارقطنیؒ نے اُسے روک دیا اور فرمایا: ”ہم نے کبھی کسی انسان کو اتنی کم عمری میں اتنے بلند مرتبہ پر فائز نہیں دیکھا۔ بلکہ میں تو یہ بھی کہتا ہوں کہ حاکم کا ہم عصر ہونا ہزار محدّثین کے ہم عصر ہونے جیسا ہے۔“

امام صاحب موصوف جرح و تعدیل کے فن میں بھی خاص مہارت رکھتے تھے۔ 974ء میں عہدہ قضاء پر متمکّن ہوئے۔ امراء و حکام آپ پر بڑا اعتماد کرتے تھے۔ امیر ابوالحسن آپ سے مشورے لیا کرتا تھا اور بنی بویہ کے پاس سفارت کے لئے بھیجتا تھا۔ آپؒ محکمہ قضاء کے فرائض سے اس قدر خوش اسلوبی سے عہدہ برآ ہوئے کہ دوبارہ آپ کو جرجان کا عہدۂ قضا پیش کیا گیا لیکن آپؒ نے معذرت کر لی۔ امام حاکمؒ نے 1014ء میں بعمر 85 برس وفات پائی۔ علامہ ابن سبکی رقمطراز ہیں کہ امام موصوف ”ان ائمہ اعلام میں سے تھے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دین مبین کی حفاظت کا کام لیا“۔

امام حاکم کی تصنیفات کمیت و کیفیت دونوں اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ علوم حدیث میں لوگوں نے متعدد کتابیں لکھی ہیں لیکن اس فن کے یگانۂ روزگار ائمہ اور علماء فحول میں ابوعبداللہ حاکم ہیں۔ انہوں نے اس فن کو باقاعدہ مرتب و مہذب کیا اور اس کے محاسن اچھی طرح نمایاں کئے۔

امام حاکم کا اپنا بیان ہے کہ ”میں چشمۂ زمزم سے پانی پی کر اللہ تعالیٰ سے حسن تصنیف کا خواستگار ہوا تھا۔“

سعد بن علی سے چار ہمعصر محدثین یعنی دارقطنی، عبدالغنی، ابن مندہ اور حاکم کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے چاروں کی جدا جدا خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان سب میں حاکم بہترین مصنف تھے۔

آپؒ کی تصنیفات کی تعداد 1500 جزء تک بتائی جاتی ہے۔ جن میں سے اکثر معدوم اور ناپید ہو چکی ہیں۔ موجود کتب میں ”کتاب العلل“، ”مزکی الاخبار“، ”تاریخ نیشاپور“: ”معرفۃ علوم الحدیث“ اور ”المستدرک علی الصحیحین“ شامل ہیں۔ موخر الذکر آپؒ کی سب سے مشہور اور شہرہ آفاق کتاب ہے۔

حدیث کی اصطلاح میں ”مستدرک“ ایسی کتاب ہے جس میں اُن حدیثوں کو درج کیا جاتا ہے جو حدیث کی کسی اَور کتاب کی شرائط کے مطابق ہونے کے باوجود اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہوں۔ امام حاکم کی یہ کتاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر مستدرک ہے۔ ”مستدرک“ کا مقام علماء کے نزدیک نہایت بلند ہے۔

امام حاکم نے ”مستدرک“ کی ترتیب و تبویب میں بعض مقامات میں جدّت و اختراع سے بھی کام لیا ہے۔ اس سے بھی ان کی محنت اور جانفشانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً ”کتاب المناقب“ میں خلفاء راشدین کے مناقب بیان کرنے کے بعد دیگر صحابہؓ کے فضائل ان کی تاریخ وفات کے اعتبار سے درج کئے ہیں اور مناقب کے ساتھ ساتھ صحابہ کے مختصر حالات بھی تحریر کئے ہیں۔

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں مستدرک امام حاکم کا دس مرتبہ ذکر فرمایا ہے اور پانچ احادیث کا حوالہ دیا ہے۔ مثلاً لَا مَهْدِيُّ اِلَّا عِيسىٰ۔ اس حدیث کو چار مقامات پر مستدرک حاکم کے حوالہ سے پیش فرمایا ہے۔ پھر اِنَّ عِيسىٰ ابْنُ مَرْيَمَ عَاشَ عِشْرِيْنَ وَ مِئَةَ سَنَةً۔ کو دو مرتبہ ذکر فرمایا ہے۔ اور باقی تین درج ذیل احادیث کا ذکر مستدرک کے حوالہ سے ایک ایک مرتبہ کیا ہے: ”اس امت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک مجدد پیدا ہوگا“۔ ”مہدی موعود عدل اور انصاف سے زمین کو پُر کرے گا“۔ اور ”مسیح موعود کے وقت میں لوگ حج سے روکے جائیں گے۔“ پس امام حاکمؒ کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ اس زمانہ کے حکم و عدل نے ان کی کتاب سے احادیث نقل کی ہیں۔